

چاسو سی دنیا نمبر 45

جنگجو ل

(مکمل ناول)

کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا۔ پھر ایسی صورت میں پروانہز کو کیا پڑی تھی کہ وہ اس کے متعلق کچھ جانتے کی کوشش کرتا ورنہ اس کے لئے بھی مزدور کی شخصیت بڑی پڑا سرار تھی اس نے سینکڑوں بارات کا کھانا کھا پکنے کے بعد بیڑی سلاکا کر اس عجیب و غریب مزدور کے متعلق بہت کچھ سوچا تھا۔ وہ اکثر اپنے بیوی بچوں میں بھی اس کا تذکرہ کرتا اور اس کی مجھلی لڑکی جو ساتوں جماعت کی طالبہ تھی، بڑے جوش سے کہتی۔

”دیکھ لینا بابا... میری بات یاد رکھنا... وہ یقیناً کسی ریاست کا کوئی پاگل شہزادہ ہے... جو اپنے گھر والوں سے روٹھ کر بیہاں چلا آیا ہے... ایک دن اس کے نوکر چاکر سے ڈھونڈتے ہوئے... اور ہر آٹھیں گے اور اسے فوجوں کے سے انداز میں سلیوت کریں گے... تب باید“
بوزھا پروانہز مکرا کر خاموش ہو جاتا اور اس کی دھندلی آنکھیں ہاضمی میں جھانکنے لگتیں۔

اُسے اپنا بچپن یاد آ جاتا۔ جب وہ بھی اس قسم کی رومانی شہزادوں کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اور پھر جب اس کی لڑکی ضد کرنی کہ وہ بھی اس مزدور کو دیکھے گی تو وہ اسے تھر آکوڈ نظرؤں سے گھور کر بیڑی کے کش پر کش لینے لگتا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کی لڑکی نے اسے کوئی گندی سی گالی دے دی ہو۔

آج پروانہز نے تھیہ کر لیا تھا کہ وہ اس مزدور سے اس کے متعلق ضرور پوچھے گا۔ وہ ٹھہٹا ہوا اس کی طرف جانکلا۔ مزدور بڑے انہاک سے درخت کے تنے پر کلہاڑا چلا رہا تھا اس کے سہرے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ ”میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“ پروانہز چکچکا ہٹ کے ساتھ بولا اور مزدور کا کلہاڑا اٹھا کا اخبارہ گیا۔ پھر وہ اسے زہننا پر ٹیک کر پروانہز کی طرف مڑا۔

اچاک پروانہز کو ایسا محسوس ہوا جیسے مزدور کی وحشت زدہ آنکھوں سے ایک بر قی روٹکل کر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی ہو۔ وہ بولکلا کر دوسرا سری طرف دیکھنے لگا۔ لیکن پھر بھی اسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ حیرت انگیز طور پر ہلکا ہو گیا ہو۔ اتنا لہلکا کہ ہوا کا ایک جھونکا بھی اس کے پیر زمین سے اکھائنے کے لئے کافی ہو گا۔

”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“ مزدور نے نرم لبھے میں پوچھا۔ ”مم... میں...!“ پروانہز ہکلایا۔ ”یہی کہ تم... کون ہو؟“

حادثہ

لیکال جنگل میں درخت کا نئے والے مزدوروں نے اس انوکھے مزدور کو آج بھی حیرت سے دیکھا جو سر جھکائے بڑی مستعدی سے ایک درخت کے موٹے سے تنے پر کلہاڑا چلا رہا تھا۔ وہ روز ہی اسے حیرت سے دیکھتے تھے۔ جھپٹے ایک ماہ سے وہ ان کے ساتھ کام کر رہا تھا لیکن اس دوران میں وہ شاید ہی کسی سے مخاطب ہوا ہو۔ کام شروع کرتے ہی وہ اس طرح درختوں پر پبل پڑتا تھا جیسے صرف کلہاڑا ہی چلانے کے لئے پیدا ہوا ہو۔

عام قاعدہ تھا کہ ایک درخت پر بیک وقت دو مزدور کام کرتے تھے لیکن اس نے آج تک کی مزدور کو اپنا ساتھی نہیں بنا�ا تھا۔ ایک درخت پر تھا کام کرتا تھا لیکن پھر بھی اس کے درخت گرانے کا او سط دوسروں سے ہمیشہ زیادہ ہوتا تھا۔ دوپہر کو جب دوسرے کھانا کھا کر آرام کرتے اس وقت بھی اس کا کام جاری رہتا۔ دوسرے مزدوروں نے آج تک اسے دوپہر کا کھانا کھاتے ہی نہیں دیکھا تھا۔

وہ ایک تویی میکل دراز قد جوان تھا۔ جلد کی رنگت سرخ و سفید، کشادہ پیشانی ڈالا جی موجھیں صاف، ایسا صاف ہوتا تھا جیسے وہ روزانہ شیو کرنے کا عادی ہو۔ اس کے دودھ جیسے شفاف ہیں اس پر دلالت کرتے تھے کہ شاید ہی کبھی اپنی ساری عمر میں ننگے پیر چلا ہو۔ بہر حال اس کا تعلق مزدور طبقے سے نہیں معلوم ہوتا تھا۔

پروانہز اس سے بہت خوش تھا لیکن اس نے نہیں کہ وہ کام بہت تیز کرتا تھا بلکہ اس کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ وہ مزدور اپنی مزدوری کی آدمی اجرت بڑے سعادت مندانہ انداز میں اس

”میں ایک مزدور ہوں۔“

پر واٹر چند لمحے بغیض جھاگٹا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ”لیکن تم مزدور نہیں معلوم ہوتے۔“

”آپ پھر میں کیا کروں۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔“ ”مزدور مسکرا کر بولو۔“

پر واٹر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کہے۔ اسے وقت اپنی لڑکی کی شہزادے والی بات یاد آگئی تھی۔

”تم کسی اچھے خاندان کے معلوم ہوتے ہو۔“ پر واٹر نے بہت سوچ کر کہا۔

”یہ بھی میرا اپنا قصور نہیں۔“

”تم عجیب آدمی ہو۔“ پر واٹر نے کہا لیکن اس دوران میں ایک بار بھی اس نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کی۔

وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا پھر شروع کر دیا۔

”کچھ بھی ہو۔“ پر واٹر نے اپنے دل میں کہا۔ ”میں آج اس کا تعاقب ضرور کروں گا۔“

قریب ہی کے درخت کا ایک مزدور اپنا کام چھوڑ کر پر واٹر کے پیچے لگ گیا۔

”کیوں....؟ کیا بات ہے....؟“ پر واٹر کچھ دور جانے کے بعد پلت پڑا۔

”او.... کچھ نہیں صاحب.... میں نے سوچا.... نہ جانے آپ کیا بتیں کر رہے ہوں۔“

”کیوں.... تم سے مطلب....؟“

”بات یوں ہے سر کار.... اپن کو کچھ گھٹالا جان پڑے ہے۔“

”کیا گھٹالا....؟“

”پتہ نہیں.... پر ہے کچھ گزرو۔“

”جاو.... اپنا کام کرو۔“ پر واٹر جھلا کر بولاب

دوسری طرف سے وہ انوکھا مزدور ان سب سے بے نیاز اپنے کام میں بھڑا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ رکنا ہی نہ جانے ہوں۔ ہر ضرب پر اس کے بازوؤں کی محچیاں ابھر تیں اور سینے نے مسلز تنے اور پھر ڈھیلے ہو جاتے۔

اس کا سارا جسم پینے سے بھیگا ہوا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا احساس ہی نہ ہو۔

دن بھر جنگل میں کلہاؤں کی آوازیں گوئی رہیں۔ پھر شام کو اس جھونپڑی سے چھٹی کا

گھنٹہ بجایا گیا۔ جہاں پر واٹر دن بھر تاش کھیلا کرتا تھا۔

تو ہڑی ہی دیر میں پرندوں کے شور کے علاوہ اور ساری آوازیں دب گئیں۔ مزدور جھونپڑی کے گرد اکٹھا ہو کر اپنی دن بھر کی کار گزاریوں کا اندر اراجح کرنے لگے۔ مگر وہ انوکھا مزدور ان سب سے الگ تھا۔ ایک درخت کے تنے سے نیک لگائے بیخاافق میں گھور رہا تھا۔ جب سب جا چکے تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور جھونپڑی کے قریب آ کر اپنے کام کی تفصیل لکھانے کے بعد اسی راستے پر چل پڑا جس سے سارے مزدور گزرے تھے۔

جب وہ کافی دور نکل گیا تو پر واٹر نے بھی اپنے کاغذات سنبھالے اور اس کے پیچے چلے رہا۔ مزدور اپنی دھن میں بست چلا جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی مزکر پیچھے نہ دیکھا پھر ان کے درمیان شاید بچاوس گر کا فاصلہ رہ گیا۔

بوڑھے پر واٹر نے رہ رسول کے جوتے پہن رکھے تھے اس لئے اس کے قدموں کی آواز زیادہ دور تک نہیں پہلی رہی تھی۔

وہ اس سڑک پر آگئے جو لڑکاں جنگل کے وسط سے گزرتی تھی۔ پر واٹر کچھ دور تک سڑک پر چلا رہا پھر سڑک کے نیچے اتر کر درختوں کی آٹلے کر چلے رہا۔

تعاقب جاری رہا۔

حتیٰ کہ مزدور سڑک کے دوسرے سرے پر رک گیا۔ آگے میدان تھا لیکن درمیان میں ایک چھوٹا سا خشک نالہ پڑتا تھا جس کے گرد بیش قدر آدم جھاڑیاں تھیں۔ مزدور ادھر ادھر دیکھ کر جھاڑیوں میں گھس گیا۔

پر واٹر کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ وہ جہاں تھا وہیں زک گیا۔

جھاڑیاں مل رہی تھیں اور یہ اس بات کا مکمل خبوت تھا کہ مزدور اپنی سک و پیں موجود ہے۔ تقریباً اس منٹ بعد پر واٹر نے جھاڑیوں میں کسی موڑ سائیکل کا پیہہ دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل کر رہے گئیں۔

اب اسے مزدور کون کہہ سکتا تھا۔

اس کے جسم پر نہایت نیس قسم کا سوٹ تھا اور وہ موڑ سائیکل کو دھکیلتا ہوا جھاڑیوں سے باہر نکل رہا تھا۔

پھر موڑسا بیگل میدان میں فراٹے بھرنے لگی۔
اور سپر وائز رائے افون کے دھنڈ لکوں میں گم ہوتے دیکھا رہا۔



کرٹل فریدی کے اسٹنٹ کیپٹن حید پر آج کل شیطنت کا بھوت سوار تھا۔ جب شرابت
حد سے گزر جائے تو اسے شیطنت ہی کہا جا سکتا ہے۔

اس نے آج سر شام ہی گرائیل احق قاسم کو پکڑ لیا تھا اور پہلے تو اسے متعدد ہوٹلوں کے
چکر کھلاتا رہا پھر ایک بار میں لے جا کر خوب اچھی طرح پلا دی۔

قاسم شراب سے اسی طرح بد کتا تھا جیسے سانپ نوٹے سے یانی لا سانپ سے... چونکہ
ایک بار اسی سلسلے میں اس کے باپ کے ہاتھوں اس کی مرمت عمل میں آچکی تھی اس لئے وہ بہت
زیادہ محظاۃ ہو گیا تھا۔

لیکن آج وہ پھنس ہی گیا۔

بار کا سائیں بورڈ دیکھ کر وہ پہلے ہی ٹھنکا تھا۔ مگر حید نے کہا۔ ”پیش گے تھوڑا ہی بس
یو نہیں... بات یہ ہے کہ لڑکیاں یہیں گلراحتی ہیں۔“

اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ بار میں داخل ہوتے ہی حید کی ایک پرانی شناسائی گلواؤں میں لڑکی مل
گئی۔ وہ تنہا تھی۔ اس لئے خود ہمیں ان دونوں کے پیچھے لگ گئی وہ کچھ اسی قسم کی لڑکی تھی۔ دن بھر
کسی آفس میں تاپسٹ کے فرائض انجام دیتی تھی اور شام کی تفریح کا بار کسی شناسی جیب پر ڈال
دیتی تھی۔

وہ ایک خالی میز کے گرد جا بیٹھے۔

”آج ٹلے ہو اتنے دنوں بعد۔“ لڑکی حید سے بولی۔

”اس خوشی میں کیا پیٹو گی....؟“

”وہ تو بعد کی بات ہے...“ لڑکی قاسم کو نیچے سے اوپ اور دائیں سے بائیں تک دیکھتی ہوئی بولی۔

”آپ کی تعریف....؟“

”آپ قاسم دیوڑا ہیں۔“

لڑکی شاید دیوڑا کو قاسم کی کنیت سمجھی۔ اس لئے اس نے بڑی سمجھی گی سے اپنا ہاتھ اس کی

طرف بڑھا دیا اور حید نے کہا۔

”آپ مس پی کاک ہیں۔“

”بب... ببی خو... او... شی... ہو... او... کی۔“ قاسم مصافی کرتے وقت ہکلایا۔

”تم ہمیشہ دوسروں کا مذاق اڑانے پر تلتے رہتے ہو۔“ لڑکی تھک کر بولی۔ ”نہیں جتاب میرا
تام یلیا مور ہے۔“

”میں نے مور کا ترجمہ کر دیا تھا۔“ حید نے کہا۔ ”ہماری زبان میں مور ایک پرندے کو کہتے
ہیں اور وہی پرندہ انگریزی میں پی کاک کہلاتا ہے۔“

”تو پھر میں اٹھ جاؤں۔“ لڑکی جھلا کر بولی۔

”ان سے پوچھئے!“ حید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اس وقت میزبان یہ ہیں۔“

قاسم کی سانس پھولنے لگی اور زبان خٹک ہو کر تالوں سے چپک گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا
کہ حید کے اس جملے پر اس کیا کہنا چاہئے۔ وہ خواہ خواہ کھانے لگا۔

لڑکی اٹھنے لگی۔ لیکن حید نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ روکھ دیا۔

”یہ نامکن ہے۔“ اس نے کہا۔ ”قاسم کو بہت رنج ہو گا۔“

”میں ہاں... جی ہاں...!“ قاسم بوکھلا کر بولا اور پھر کھانے لگا۔ حالانکہ شاید اسے ہفتون
سے کھانی نہیں آئی تھی۔

لڑکی بیٹھ گئی۔

حید نے پھر کہا۔ ”سمجھ میں نہیں آتا کہ تم آج کل اتنی تھک مزانج کیوں ہو گئی ہو؟“

”میں نے بہت دیر سے پی نہیں۔“ لڑکی بولی۔

”اوہ... اچھا... خیر... میں تو پی نہیں سکوں گا۔“ حید نے جماں لیتے ہوئے

کہا۔ ”کیونکہ آج کل میرا گلا خراب ہے ڈاکٹر کی رائے ہے کہ میں کچھ دنوں کے لئے شراب بالکل

چھوڑ دوں... ویسے قاسم تمہارا ساتھ دیں گے۔“

”م... مخ...!“ قاسم حلک کے ملن ہکلا کر رہ گیا۔

”اچھا... میں ابھی آئی...“ لڑکی نے کہا اور اٹھ کر دوسرا میز پر چل گئی جہاں سے اس

کے کسی شناسانے اسے اشارہ کیا تھا۔

”یہ کیا گھٹالا کر رہے ہو حمید بھائی۔“ قاسم تھوک نگل کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
”کیسا گھٹالا...؟“ حمید اسے گھورنے لگا۔
”میں تو ہر گز نہ پیوں گا۔“

”ابے چپ الو... وہ تجھے زرا... ذیوٹ سمجھے گی۔“
”وہ تو نہیں ہے.... مگر...!“

”دیکھو بیٹا... اب مجھ سے کبھی نہ کہنا کہ کسی لڑکی سے تعاون کراؤ۔“ حمید نے ناخنگوار
لہجے میں کہا۔

”ارے سنو تو حمید بھائی۔“

”میں کچھ نہیں سنتا۔“ حمید نے اپنے لہجے میں کرختی قائم رکھتے ہوئے کہا۔ ”تعارف ایگلو
اندھیں لڑکیوں سے چاہتے ہو اور حرکتیں دیہاتیوں میں کرتے ہو۔“

قاسم نے کچھ کہنا چاہا مگر کہہ شکا۔

”حمد کی بکواس جاری رہی۔“ یہ لڑکیاں پیکڑ قسم کے آدمیوں کو بہت پسند کرتی ہیں۔ اور ہاں
دیکھوا پیتے وقت بُرے بُرے سے منہ نہ بناوارہ لاثاڑی سمجھے گی اور اس سے دوچار پک آگے ہی
رہنا۔ خبردار یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ تم کیپن حمید کی سوسائٹی کے لاکن نہیں ہو۔“

”م... مگر... میں بھر کیسے گھر جاؤں گا۔“ قاسم نے خنک ہونٹوں پر زبان پھیرتے
ہوئے کہا۔

”ابے گھر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے... میں تم دونوں کو گرینڈ ہوٹل میں ایک کرہ
دولادوں گا۔“

”ابے بُپ رہے...!“ قاسم نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پہلو بدلا۔
”کیوں...؟“

”گس... نہیں...!“ قاسم کی زبان پھر لڑکھڑانے لگی۔
”بس بس خاموش... وہ آرہی ہے۔“

قاسم جلدی سے سیدھا ہو کر پھر کے بت کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ بچتی بچتی آنکھوں سے خلاء
میں گھور رہا تھا اور اس کی سانس اس طرح پھول رہی تھی جیسے وہ کسی پہاڑ پر چڑھتے چڑھتے رک کر

دم لینے لگا ہو۔

لڑکی آکر بیٹھ گئی۔

حید نے نیرے کو اشارہ سے بلا کر کہا۔ ”ہمکی... دو جگہ... اور صاحب کے گلاس میں
تین بڑے پگ ڈالنا...!“

”تین بڑے پگ...؟“ لڑکی نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں یہ بھیش تین پگ سے شروع کرتے ہیں۔“ حید لاپرواٹی سے بولا اور قاسم مضطربانہ
انداز میں پہلو بدلنے لگا۔

لڑکی نے ایک بار پھر اس کے ڈیل ڈول کو تحسین آمیز نظر دوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ضرور
شروع کرتے ہوں گے۔“

”کل ہی میرے سامنے ایک نشست میں اس کاچ کی دبو تلیں صاف کر گئے تھے۔“

”تم نے ان کی مکمل تعریف نہیں کی۔“ لڑکی نے کہا۔

”خان بہادر عاصم کا نام نہ ہے؟“

”ہاں کیوں نہیں!“

”یہ جو نیز مشر عاصم ہیں۔“

”آہا...!“ لڑکی کی مسرت آمیز چیخ کرے میں گونج آئی۔

انتہے میں ویٹر اپیں آگیا۔

گلاس میز پر رکھ دیئے گئے۔

”آپ سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی۔“ لڑکی نے قاسم سے کہا۔ ”مگر آپ اتنے خاموش
کیوں ہیں؟“

”نشہ اکھڑا ہوا ہے۔“ حید جلدی سے بولا۔

اور قاسم بد جوابی میں پورا گلاس ایک ہی سانس میں صاف کر گیا۔ پھر گلاس کو میز پر چھکر
جلدی سے ہونٹوں پر رومال رکھ لیا تاکہ اس کا بگڑا ہوامنہ لڑکی کو نظر نہ آسکے۔

لڑکی اسے اور زیادہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

”واقعی کمال ہے۔“ وہ آہستہ سے بڑا رہی اور اپنا گلاس اٹھا کر چسکیاں لینے لگی۔

حمد نے اپنے لئے کافی آرڈر دیا۔
ادھر خاموشی سے شراب کے دور چلتے رہے۔ نویں گپ پر قاسم کی کھوپڑی آؤٹ ہو گئی۔
ادھر لڑکی بھی اپنا دھاڑک پن دکھانے کے لئے گپ پر گپ طلب کر رہی تھی۔ قاسم کے نویں
گپ پر اس کا پانچواں تھا دراب وہ بھی بڑی شدت سے بیکھنے لگی تھی۔
”گرے.... گرے.... گرینڈ ہوٹل ہی ہی ہی۔“ قاسم نے حمید کے چہرے کے
سامنے انگلی نچالی۔

حمد نے بیرے کو بلا کر مل طلب کیا اور قاسم کی جیب سے پرس نکال کر قیمت ادا کی۔
ٹھوڑی دیر بعد وہ انہیں اپنی کار میں ڈالے ہوئے اندھا دھنڈ ایک طرف اڑا جا رہا تھا۔ وہ
دونوں چھپلی سیٹ پر تھے۔ قاسم بھرا ہوئی آواز میں کسی بھینیسے کی طرح ڈکر ارہا تھا۔ ”بھی کمن
ہوں بغلم جوان ہونے دے ابے کمن ہوں بغلم !“
مگر کار گرینڈ ہوٹل کی طرف جانے کی بجائے قاسم کی کوئی کمی طرف جا رہی تھی۔ قاسم
بڑی موچ میں تھا دراب لڑکی سے اردو میں گفتگو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکی اس کے دیوبھیسے
قد و قامت کا مظہر اڑا رہی تھی۔ وہاں چھل کوڈ بھی رہی تھی۔ لیکن قاسم بے حس و حرکت پڑا تھا۔
ابتداں اس کی زبان قیچی کی طرح چل رہی تھی۔

”حمد بھائی....!“ اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ ”کیا پروہے روپے پانی کی طرح بہاؤ
میرے نام چار لاخ خانینک بیٹھنے ہے ... ہینے ... ہی ہی ہی۔“

حمد چپ رہا۔ اس کا ذہن بڑی تیری سے ایک سازش کی کڑیاں مرتب کر رہا تھا۔ ادھر ان
دونوں کا نشہ ٹھنڈی ہوالگئے سے زیادہ گھرا ہو گیا اور ان کی آولائیں آہستہ آہستہ دیتی گئیں۔ تھی کہ
وہ گھری نیند سو گئے۔

پھر گاڑی قاسم کی کوئی کمپاؤٹر میں داخل ہوئی۔ دونوں کار کے قریب آئے۔
”بیگم صاحب کو بلاؤ۔“ حمید نے ان سے کہا۔

”مگر بیگم صاحب....!“ ایک نوکر بولا۔

”جاو۔.... کہہ دینا حمید صاحب ہیں۔“

نوکر چلے گئے۔ حمید وہیں کار کے قریب کھڑا رہا۔ ٹھوڑی دیر بعد قاسم کی بیوی آگئی۔

”کیوں حمید بھائی ... کیا بات ہے۔ آپ اندر کیوں نہیں آئے؟“ اس نے پوچھا۔
”بس یونہی ... مجھے دوپار سل ڈیلیور کرنے ہیں۔“ حمید نے کہا اور سونچ دبا کر کار کے اندر
روشنی کرتا ہوا بولا۔ ”ادھر دیکھئے۔“
قاسم کی بیوی بوکھلا گئی۔
”یہ کک کیا !“
”آپ کے شوہر ارجمند کے کوت ... اگر اتفاق سے میں نہ بیٹھ جاتا تو اس وقت یہ دونوں
حوالات میں ہوتے۔“
اچانک قاسم نے آنکھیں بند کئے ہوئے ہاںک لگائی۔ ”ابھی کمن ہوں بغلم ہیں ...
ہیں ... ہیں ... ہیں ... !“
چند لمحے خاموشی رہی پھر قاسم کی بیوی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”کوئی شرارت تو نہیں
حمد بھائی۔“
”شرارت وہ یہ اچھی رہی۔ نیکی بھی سمجھئے اور گالیاں بھی کھائیے۔ اگر شرارت ہوتی تو
میں بھی اسی حال میں ہوتا۔ میرا منہ سونگھے سمجھے۔ میں شرارت پر ستر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔“
”تو پھر یہ آپ کو کہاں ملے؟“
”سرڑک پر ... ان کے گرد بھیڑ اٹھا تھی اور یہ سور قاسم سترہ پن کر رہا تھا۔ میں نہ پہنچتا تو
بند کر دیئے جاتے بیٹھا۔“
”لیکن آپ اس حرام زادی کو کیوں لائے؟“
”جهاں حرام زادہ وہیں حرام زادی آخر اس بے چاری کو کہاں چھوڑتا اسے بھی قاسم ہی
نے پلاٹی ہو گئی۔“
”مجھے یقین نہیں آتا !“
”یقین آئے نہ آئے ... !“ حمید بگڑ کر بولا۔ ”میری گاڑی خالی کرائیے۔“
قاسم کی بیوی نے دور کھڑے ہوئے نوکروں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”چلو۔“
پانچ نوکروں نے قاسم کو کار سے نکلا اور اسے لادے ہوئے بدقت تمام عمارت کی طرف چلے
”اور یہ ... اسے آپ جہاں دل چاہئے لے جائیے۔“ قاسم کی بیوی نے لڑکی کی طرف

اشارہ کر کے کہا۔
”میں کہاں لے جاؤں.... نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ نے مجھے کوئی لفڑا سمجھا
ہے.... وہ بھئی۔“

”تو میں کیا کروں گی؟“

”میں بتاؤں.... اسے قاسم کے اوپر لانا کر پڑوں چھڑ کئے اور آگ لگادیجئے۔ سمجھیں آپ۔“
”ہونا تو یہی چاہئے۔“ قاسم کی بیوی نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

”مجھے دیر ہو رہی ہے۔ راستے میں کم بخنوں نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دیں۔ مگر قاسم گاتا
اچھا ہے۔ کبھی آپ نے بھی سنا....؟ گارہ تھا.... ابھی کمن ہوں بالم جوان ہونے دے۔“

”بُن ختم کیجئے۔“ قاسم کی بیوی بُر اسامنہ بنا کر بولی۔ ”اچھا شہبزیر۔“

”تیرے واہ.... کیا میں الا ہوں۔“ حمید نے کہا اور مدھوش لڑکی کی بغلوں میں ہاتھ دے کر
اسے کار سے بھینچ لیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی منہماہت لکھی اور بُس.... دوسرا لمحے میں حمید
اسے زمین پر ڈال چکا تھا۔

”اب کہئے شب بخیر....!“ وہ کار میں بیٹھ کر انہیں اشارہ کرتا ہوا بولا۔
”سننے تو ہی۔“

”قاسم کو منانے کیلئے بھی پکھر رکھئے۔ نانا....!“ کار فرائی بھرتی ہوئی پھانک سے نکل گئی۔
حید یہ حرکت کر تو گذرا تھا مگر سوچ رہا تھا کہ قاسم اگلی ملاقات میں اسے زندہ نہیں
چھوڑے گا۔ مگر پھر وہ کرتا بھی کیا۔ سبق تو دینا ہی تھا۔ قاسم اسے اکثر بور کر تارہ تھا کہ کسی لڑکی
سے تعارف کراؤ۔ چنانچہ آج اس نے اس پر رحم کھا کر اچھی طرح تعارف کر دیا تھا اور وہ بھئی وہ
لڑکی تو اس کا دھنہ دیتی تھا۔

گھر پہنچ کر حید کپڑے اتارتی رہا تھا کہ اس نے فریدی کی خواب گاہ کا دروازہ کھلنے کی آواز
 سنی۔ وہ باہر نکل آیا کیونکہ اسے اپنی اس کار گزاری کی روپورٹ فریدی کو بھی دینی تھی۔ لیکن
فریدی کو دیکھ کر وہ بے ساختہ چوٹک پڑا۔ وہ کمرے کے دروازے پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا
لباس خون سے ترخال۔ چہرے پر خراشیں تھیں اور کپڑوں پر پھیلا ہوا خون شاید سر سے بھا تھا۔

قاسم کی درگت

فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ حمید بوکھلا کر آگے بڑھا۔

”فکر مت کرو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”لیکن ہوا کیا....؟“

”واقعہ.... خادش.... جو چاہو سمجھ لو۔“

انتہے میں نوکر بھی وہیں آ کر اکھا ہو گئے۔ فریدی ان کی طرف مڑ کر بولا۔

”نصیر.... اوپر سے فرست ایڈی بکس لاو۔“

نصیر دوڑتا ہوا اچلا گیا۔ فریدی نے اپنی نوکروں سے کہا۔ ”تم جاؤ اپنے کام دیکھو۔“

”آخر یہ ہوا کیسے....؟“ حمید نے پوچھا۔

”جو کچھ بھی ہوا۔... اندھیرے میں ہوا۔ میں بے خبر تھا۔ لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔“

”پھر اور کس طرح کامیابی ہوتی؟“

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ ”وہ بلیاں نہیں تھیں حمید صاحب۔ آدمی تھے اور جب
آدمی اندھیرے میں حملہ کرتے ہیں تو ان کا مقصد کان سہلانا نہیں بلکہ مارڈانا ہوتا ہے۔“

”کون لوگ تھے؟“

”اُنے تمہاری کھوپڑی گردن ہی پر ہے یا کہیں اور۔“ فریدی جھنپھلا کر بولا۔ ”اگر یہی معلوم
ہو جاتا تو کیا تم مجھے اس وقت یہاں دیکھتے؟“

حمد خاموش ہو گیا۔ فرست ایڈی کا سامان آگیا تھا۔

اس نے سر کا ذخیرہ صاف کر کے ڈرینگ کر دی۔ چہرے کی خراشیں فریدی کے کہنے پر یونی
رہنے دیں۔

”ڈرکافنی کے لئے کہہ دو۔“ اس نے آرام کر کی پشت سے یک لگانے ہوئے حمید سے کہا۔

حمد نے نوکر کے لئے گھٹی بجائی اور پھر فریدی کی طرف استھانیہ نظر وہن سے دیکھنے لگا۔

فریدی نے ایک سگار سلکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ انتہے میں نوکر آگیا۔ حمید اس سے کافی کے
لئے کہہ کر خود بھی پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

خرانے کا سراغ تھی۔ حقیقت خواہ کچھ بھی رہی ہو مگر ان لوگوں کے جوش و خروش کی بنا پر شہر میں سننی ضرور پھیل گئی تھی۔

پھر فریدی نے مجرم کو پکڑ لیا۔ لیکن وہ ایک سب انپکٹر کو جان سے نار کر صاف نکل گیا۔ زیور فریدی کے ہاتھ آگیا تھا سے سر کاری خزانے میں رکھ دیا گیا کیونکہ وہ ایک غیر ملک کی امانت تھی۔ قاعدے کی رو سے اسے جوینی امریکہ کے ملک چلی کی حکومت کے سپرد کر دینا چاہئے تھا۔ چیز چوکر نزاعی تھی اس لئے حکومت نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے کوئی ذمہ دار آدمی چلی تک پہنچا دے۔ لہذا یہ بار اس شخص کے کامدھوں پر ڈالا گیا۔ جس نے اسے سُنگ ہی جیسے خطرناک آدمی سے حاصل کیا تھا۔ اور اب جب کہ فریدی کی روائی ایک ہفتے کے بعد ہونے والی تھی۔ کسی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ لیکن آخراب....؟

حید کا ذہن ماضی کی ڈھلوان میں پھسلتے پھسلتے یک بیک موجودہ گھٹیوں سے آگلکرایا۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ حملہ چہ ماہ بعد کیوں ہوا۔ کیا سُنگ ہی ابھی تک یہیں مقیم تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ زیور کی دنوں تک ان کے پاس رہا تھا۔ سُنگ ہی نے اس پر پائی جانے والی تحریر ضرور نقل کرنی ہوگی۔ لہذا اس کے بعد چاندی کے اس حقیر زیور کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی۔ پھر ایسی صورت میں تو اسے خزانے کی تلاش میں روانہ ہو جانا چاہئے تھا۔ آخر وہ اسکے بعد بھی بہاں کیوں رکارہا۔

”کیا سوچ رہے ہو....؟“ وہ فریدی کی آواز رپوچنک پڑا۔
”سُنگ ہی کے متعلق....!“ حید نے کہا۔

”چھوڑو بھی۔“ فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”میرے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ حرکت کسی دوسرا سے کی ہو۔“

”لیکن یہ دلیل مجھے مطمئن نہیں کر سکتی۔“ حید آہستہ سے بولا۔
”کیوں....؟“

”ہمارا پروگرام بننے ہی حملہ ہوا۔ آخر اس سے پہلے کیوں نہیں....؟“

”ختم کرو....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کافی پینے سے قبل میں اس ملے پر گفتگو نہیں کروں گے۔“ حید جھنگلا کر خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ شخص ایسے حالات میں بھی اپنی اچھی یا بُری عادتوں سے باز نہیں آتا۔

تموڑی دیر بعد فریدی نے آنکھیں کھو لیں۔ چند لمحے میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے پر نظر جائے رہا۔ ”مجھے خود بھی حیرت ہے کہ میں انجانے مخلوں سے کس طرح حق جاتا ہوں۔“

”آپ تھے کہاں....؟“ حید نے پوچھا۔

”لُوكاں جنگل اور شہر کے درمیان۔“

”لُوكاں جنگل کیوں....؟“ حید چونک پڑا۔

”بس یونہی.... میں آج کل درخت کاٹنے کی مشق کر رہا ہوں۔“

”کیوں....؟“

”اس جملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ فضول سوالات کر کے بھیجا ملتے چاہو۔“ حید پھر خاموش ہو گیا اور فریدی اٹھ کر مٹھنے لگا۔

کچھ دیر کے بعد وہ حید کی طرف ٹرکر بولا۔ ”ہم اخھائیں تاریخ کو جوینی امریکہ کے لئے روشن ہو رہے ہیں تا۔“

”اب میں سمجھ گیا۔“ حید سر ہلا کر بولا۔ ”مگر وہ کون ہو سکتا ہے۔ سُنگ ہی سایا وہ امریکن ماہر آثار قدیمہ....!“

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا ہا پھر اس نے کہا۔ ”یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ امریکن تو سُنگ ہی کی گرفتاری کے بعد ہی یہاں سے چلے گئے تھے۔“

حید کچھ نہ بولا۔ اس کا ذہن ماضی کے دھنڈکوں میں بھکنے لگا تھا۔ لیکن پہلا کی چوتھی پر پانچ سو سال سے برف میں بیٹھی ہوئی شہزادی۔ کیپٹن لوٹر اور سُنگ ہی نے جس کی لاش دریافت کی تھی اور وہ دونوں اس مردہ شہزادی کا ایک زیور اتار لائے تھے۔ اس زیور کے لئے ایک اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ کئی جانیں تلف ہو گئی تھیں۔ مر نے والوں کے چروں پر ابھری ہوئی لکیریں پائی جاتی تھیں.... نیلے رنگ کی لکیریں.... ذاکڑوں کی رائے کے مطابق موت انہیں لکیروں کی وجہ سے واقع ہوئی تھی اور پھر فریدی نے جب اصل مجرم کو پکڑا تو ایک بہت بڑے راز کا انکشاف ہوا۔ درستہ باڈی انظر میں اس زیور کی کوئی وقعت نہ تھی۔ وہ چاندی کا ایک معمولی ساز زیور تھا۔ وقعت دراصل اس تصویری تحریر کی تھی، جو اس زیور کے اوپری خول پر کندہ تھی۔ زیور کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے نزدیک وہ تحریر دراصل انکا نسل کے بادشاہوں کے

توہڑی دیر بعد کافی بھی آگئی اور ایک کپ پی چکنے کے بعد فریدی نے جو تذکرہ چھیڑا وہ
موجودہ حالات سے متعلق نہیں تھا اس پر حمید کو اور زیادہ تاذ آیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔
نظر آنے لگتا تھا جیسے کچھ دیر کسی کتاب کا مطالعہ کرتے رہنے کے بعد اخفاہ ہو۔
حید فریدی کے متعلق بہت کچھ سوچتا رہا۔ پھر خیالات کی رو قاسم کی طرف بہک گئی اور وہ
بے ساختہ ہس پڑا۔ لیکن ساتھ ہی اس کا انعام بھی پیش نظر تھا۔ گھر پر جامت بننے کے بعد وہ
سید ہادھر ہی کارخ کرے گا اور پھر اس کا سنبھالنا کارے دار، ایک بار پہلے بھی شراب ہی پینے
کے سلسلے میں اس کی کافی مرمت ہو چکی تھی۔



دوسری صبح حسب معمول قاسم نے بیدار ہو کر لیئے ہی لیئے کتوں کی طرح ہاتھ پر تان کر
انگڑائی لی اور پھر آنکھیں بند کر کے دہڑانے لگا۔ ”چالو... سالو... کہاں مار گائے... چا... لاو۔“
اس کی بیوی شعلہ جو الابنی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ قاسم نے آنکھیں کھول دیں اور اس
کے ساتھ ہی حلق پھاڑ کر دہڑا۔

”کیا ہے؟“

”ہوتا... کیا... وہ حرامزادی اصلبل میں بند ہے۔“ بیوی بڑے پدھر سکون لجھ میں بولی۔
”کون حرامزادی...؟“ قاسم پلکیں جمپکتا ہوا اللہ کر بیٹھ گیا۔
”آغا... شاید نئہ اکھڑ جانے کی وجہ سے دماغ ٹھیک نہیں۔“ وہ طریقہ لجھ میں بولی۔ ”کتنی
بو تلیں منگو اودوں۔“

اچاک قاسم کو بھی رات کے واقعات یاد آگئے اور اس نے ایک جھر جھری سی لی اور مدد
چلاتا ہوا سہی ہوئی نظروں سے بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

”تم کیا جانو...!“ اس نے بھراں ہوئی آواز میں کہا۔

”تو کیا آپ اپنے بیووں سے چل کر یہاں آئے تھے؟“

کسی نے چھری مار دی ہو۔

”کہہ کر اس طرح اچھلا جیسے
کیا جو کھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر ”ارے باپ رے۔“

”اوروه.... سور کی بچی۔“ اس کی بیوی نے کچھ کہنا چاہا۔

”کون سور کی بچی.... ارے.... الا قاسم.... ہی ہی.... تم بھی کیسی باتیں کرتی ہوں...“

”کیوں؟ کیا اس کی رپورٹ بھی درج کرائیے گا؟“ حمید نے پوچھا۔
”نہیں بیٹھے خال! میں نے حملہ آوروں میں سے ایک کو ختم کر دیا ہے۔“
”کیا...؟“ حمید اچھل پڑا۔
”ہاں.... وہ کوئی چلنی ہے۔“

”اور اس کے باوجود بھی آپ اسے سنگ ہی کی حرکت نہیں سمجھتے۔“
فریدی پھر بیٹھ گیا۔ چند لمحے میز کی سطح کو انگلیوں سے کلکھتا تھا ہوا پھر بولا۔ ”اس میں ایک
اجھن ہے اگر میں اسے سنگ ہی کی حرکت سمجھ بھی لوں تو یہاں اس کی موجودگی کی وجہ دریافت
کرنی پڑے گی۔“

”ظاہر ہے کہ جس زیور کے لئے اس نے جان کی بازی لگائی تھی وہ ابھی یہیں موجود ہے۔“
حمدید بولا۔

”وہ زیور سنگ ہی کے پاس بھی رہ چکا ہے اور وہ اس کی تصویری تحریر سے بخوبی واقف ہو گیا
ہو گا پھر وہ اس زیور کے لئے وقت کیوں برداشت کرنے لگا۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس تحریر کے علاوہ بھی اس زیور کی کوئی اہمیت ہو۔“

”اچھا... پھر بات کریں گے۔“ فریدی ذوبادہ اٹھتا ہوا بولا۔

حمدید سے جاتے دیکھتا رہا۔ اسے اس کے انداز میں ذرہ برابر بھی بے اطمینان نہیں نظر آئی۔

کچھ ہی دیر پہلے اس نے ایک آذی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور خود بھی زخمی ہو گیا تھا۔ مگر اس
کی ظاہری حالت سے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔ کیا وہ غیر معمولی طور پر عجیب
آدمی نہیں تھا۔

حمدید نے بارہا اسے دوسروں کی لاشوں پر غمکن بھی دیکھا تھا۔ ٹریپک کی زد میں آئے ہوئے
کسی زخمی را گیر کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ذہنی اوقیت کی جھلک دکھانی دیتی تھی۔ لیکن وہی
فریدی جب مجرموں کی گرد نیں تو ڈاتا تھا تو اس کی پیشانی پر کیدی گی کی بلکی سی شکن بھی نہیں ہوتی۔

میں آج تمہیں سینما ضرور لے چلوں گا۔“

”پچا جان بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔“ اس کی بیوی نے کہا۔

”ارے... دیکھو تو... تمہیں کی نے بہ کایا ہے... الا قسم... دیکھو تو...“

”کچھ نہیں پہلے اپنی عزت کا خیال نہیں تھا اب باپ کی بھی گزری اچھائی جانے لگی ہے... سڑکوں پر...!“

”کون کہتا ہے.... جھوٹ بالکل جھوٹ.... تم مذاق کر رہی ہو۔“

”میں نے پچا جان کو فون کیا تھا۔ مگر وہ اس وقت موجود نہیں اور وہ حرام زادی اس وقت تک اصلبل میں بند رہے گی جب تک پچا جان نہ آ جائیں۔“

”کیا کہہ رہی ہو.... کے بند کر کھا ہے؟“ قاسم احتبا ہوا بولا۔

”ٹھہریے.... اگر آپ اس کمرے سے نکلے تو اچھا ہو گا۔“

”ارے واہ....!“ قاسم جھلائیت میں ہاتھ نچا کر بولا۔ ”ہٹوادھ...!“

وہ اپنی بیوی کو ایک طرف دھکیل کر باہر نکل گیا۔ اب اچھی طرح ہوش آگیا تھا اور پچھلی رات کے سارے واقعات اس کے ذہن میں دھنڈی تصویریں کی طرح گردش کر رہے تھے۔

وہ لپتا ہوا اصلبل کی طرف آیا۔ اصلبل خالی تھا۔ اس میں کبھی گھوڑے رکھے جاتے رہے ہوں گے مگر اب خالی تھا۔ اس نے اصلبل کے دروازے پر ہدا ساتلا نکلتے دیکھا۔ اندر سے کوئی بُری طرح دروازہ پیٹ رہا تھا اور پھر سریلی آواز میں مخلطات کا طوفان بھی امنڈ نے لگا۔

”ارے باب رے۔“ قاسم بوجھاہت میں ناج کر رہا گیا۔

بیوی اس کے پیچے دوڑتی چلی آئی تھی۔ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

”نہیں کھل سکتا.... ہرگز نہیں کھلے گا۔“

”کنجی لاو....!“ قاسم دھڑا۔

”ہرگز نہیں.... پچا جان....!“

”پچا جان کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں مارڈا لوں گا۔“

”اس حرامزادی کے لئے۔“ قاسم کی بیوی حق پھاڑ کر چینی۔

”بھاگ جاؤ.... میں تالا توڑ دوں گا۔“

اس کی بیوی دروازے کے سامنے جم گئی۔ قاسم نے اسے کمرے پہنچ کر سر سے اوچا اٹھایا۔ ”ارے ارے.... میری بے عنقی نوکروں کے سامنے۔“ وہ مچلی۔ مگر قاسم اسے اس طرح اٹھائے ہوئے کوئی کی طرف چل پڑا۔

اور پھر اس نے اسے ایک کمرے میں بند کر دیا۔ وہ جیچ کر رہی تھی۔

اصلبل کا تالا توڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن ایک دوسرا طوفان قاسم کا منتظر تھا۔ لڑکی باہر نکلتے ہی قاسم پر جھپٹ پڑی۔ اس کے منہ سے گالیاں اہل رہی تھیں اور ہاتھ قاسم کی مرمت میں مصروف تھے۔ بدقت تمام اس نے اسے قابو میں کیا اور پھر اس کی نظریں نوکروں پر پڑیں جو دور کھڑے ہنس رہے تھے۔

”بھاگو سالو.... ورنہ جان سے مار دوں گا۔“ وہ لڑکی کو چھوڑ کر نوکروں کی طرف دوڑا۔ نوکر سر پر پید رکھ کر بھاگے۔ ساتھ ہی لڑکی بھی قاسم کے پیچے دوڑی تھی وہ اس کے قریب پہنچ کر اچھی اور اس کے سر کے بال پکڑ کر جھوول گئی۔ قاسم لڑکھا کر گر پڑا اور وہ اس پر گر کریں اس کے دونوں ہاتھ بدستور چلتے رہے۔

”ارے سنو تو سہی.... بھاگو بیہاں سے ورنہ ہم دونوں کو گولی مار دی جائے گی۔“ قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

”تم سور کے پچے.... میں تم پر مقدمہ چلاوں گی۔“

”دوبار چلاو بینا.... مگر اب بھاگو۔“

قاسم اسے کھینچتا ہوا کیرا جنک اسے کار نکالی۔

”آؤ بیٹھو....“ اس نے لڑکی سے کہا۔ ”بیہاں کہو پہنچا دوں۔“

”پولیس اشیش...!“ لڑکی گرنج کر بولی۔

”ذراسنو تو.... یہ سب اسی سور کے پچے حمید کی حرکت ہے۔ ہمیں پلا کر بیہاں ڈال گیا۔“

”تم نے مجھے بند کیوں کیا تھا....?“ لڑکی پھر چینی۔

”آؤ....!“ قاسم چکار کر بولا۔ ”بیٹھ جاؤ.... میں نے نہیں میری بیوی نے بند کیا تھا۔“

”میں نہیں بیٹھوں گی.... دیکھوں گی.... تھہاری بیوی کو دیکھوں گی۔“

”آؤ بیٹھ جاؤ خدا کے لئے۔ ورنہ مصیبت آجائے گی۔“

لڑکی کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ ”حمد کپاں ملے گا۔“
”آؤ... وہیں چلتے ہیں۔ تم دیکھنا کہ اس کی کیسی گت بناتا ہوں۔“
”چلو... لیکن میں تم پر ضرور مقدمہ چاؤں گی۔“
وہ کار میں بیٹھ گئی۔

اور قاسم شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے گھر سے جعل پڑا۔

اڑو ھے اور ڈاکو

اس دوڑان میں قاسم کو اس شدت سے عقل آگئی تھی کہ وہ ہکلائے بغیر گھنٹوں بول سکتا تھا
ذہنی انتشار کے ان نجات نے لاشمور کی کالی کوٹریاں تک کھوں کر رکھ دی تھیں۔ لڑکی اب بھی
اسے نہ اچھلا کہہ رہی تھی اور ہر چار گالیوں کے بعد مقدمہ کی دھمکی اتنی ہی ضروری تھی جیسے کسی
خمس کے لئے نیپ کا بند۔

لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔ پھر اپنا پرس کھوں کر دیکھا۔ اور دونوں
ہاتھوں سے سر پینٹے گئی۔

”اڑے... اڑے....!“ قاسم پھر ہو کھلا گیا۔

”سور کے سچ... میں لٹ گئی۔ میرے دو ہزار روپے؟ پولیس اسٹیشن مجھے کسی پولیس
اسٹیشن پر اتار دو۔“

”دو ہزار روپے۔“ قاسم نے حیرت سے دہرایا۔

”تم پور ہو... مجھے اتار دو گاڑی سے ورنہ میں کہیں چینا شروع کر دوں گی۔“

”خدا کے لئے۔“ قاسم کھکھلیا کر بولا۔ ”اچھا میں دے دوں گا... دو ہزار... ضرور میرے
کسی نو کرنے یہ حرکت کی ہے۔ تم مجھے اپنا پتہ بتاؤ... میں چیک بھجوادوں گا۔“

”ابھی... چیک نہیں... نقدر روپیے... ابھی اور اسی وقت... میں کہیں نہ جاؤں
گی... گھرو اپس چلو...!“

”مگر...!“ قاسم کی بوکلاہٹ بڑھ گئی۔ ”ہنڑ... ہنڑ... نن... نہیں... میں وعدہ
کرتا ہوں اگر کل تک تمہیں روپیہ نہ ملے تو تم میرے خلاف پولیس میں روپرٹ درج کرو دینا...“

”اگر تم نے دھوکا دیا... تب...؟“
”مجھے خوی...!“ قاسم تھوک نگل کر بولا۔ ”گوئی بار دیتا۔“
”نہیں... جب میں تمہارے باپ سے فریاد کروں گی۔“
”ارے باپ رہے...!“ قاسم انگریزی میں بولتے بولتے اردو پر اتر آیا۔
”اچھا... اب مجھے سیکھیں اتار دو...!“ لڑکی پر س میں سے اپنا وزینگ کارڈ نکالتی ہوئی
بولی۔ ”یہ رہا میرا پتہ... اگر شام تک روپیہ نہ پہنچا تو اچھا نہ ہو گا۔“
”بچھ جائے گا۔“ قاسم ملجنیاں انداز میں بولا۔

اس نے سڑک کے کنارے کار روک دی اور لڑکی اتر گئی۔ قاسم کار کھڑی کئے لڑکی کو جانتے
دیکھتا رہا جب وہ ایک گلی میں مڑ گئی تو اس نے دانت پین کر ہوا میں سماں کا لہراتے ہوئے کہا۔ ”حمد
سالے... سور کینے... سچ کے چمار... تیری موت آگئی ہے۔“
کار فرائٹ ہٹھری ہوئی آگے بڑھ گئی۔ اس وقت قاسم انداز ہند کار چلا رہا تھا اور کار فریدی
کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

کوٹھی کے قریب بچھ کر اس نے رفتار کم کر دی۔ چھاٹک بند تھا اور سلاخوں کے بچھے تن
خظر تاک قدم کے کتے کھڑے تھے جیسے ہی قاسم کار سے اتر کر چھاٹک کی طرف بڑھا توں نے
آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ سلا خیں توڑ کر باہر نگل آئیں گے قاسم کو سامنے
کوئی نوکر بھی نہیں دکھائی دیا۔
”میں سب سمجھتا ہوں سالے۔“ وہ عمارت کو مکاڈ کھا کر بولا۔



فریدی رات بھر کا تھکا ہوا تھا۔ تقریباً ایک بجے تک تو وہ کوتوانی ہی میں رہا تھا اور پھر کو کوتوانی
ہی میں اس نے ایک ایسی خبر سنی کہ اس کی ساری رات دوڑھوپ میں گذر گئی۔
اور جب وہ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے صبح گھر پہنچا تو اسے خلاف معمول کپاٹنڈ کا چھاٹک بند نظر
آیا۔ سامنے ہی ایک کار کھڑی تھی اور کئے بے تحاشہ بھوک رہے تھے اور کئے بھی وہ جو رات کے
علاوہ اور کسی وقت کھلے نہیں چھوڑے جاتے تھے۔

جب وہ اور قریب پہنچا تو اسے قاسم کار میں بیٹھا دکھائی دیا۔ قاسم نے فریدی کی کیڈی لاک

پر نظر پڑتے ہی اپنی گاڑی سے چھالاگ لگادی اور چھالک کی طرف مکاہ کھاتا ہوا چینا۔ ”دیکھتا ہوں اب کیسے نہیں کھلتا چھالک۔“

فریدی نے اسے بڑی حیرت سے دیکھا۔ قاسم لاکھ بے ڈھنگا سہی مگر بس کے معاملے میں بڑا محکما تھا اور اس سے اس حرکت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ وہ سلپنگ سوت پہن کر سڑکوں پر مارا مارا پھرے گا۔

”کیا بات ہے۔“ فریدی نے کرخت لبجھ میں پوچھا۔

قاسم فریدی سے بہت ڈرتا تھا اور پھر اس نے اس کے سر پر پٹی بھی بندھی ہوئی دیکھی۔ حمید کے خلاف اس کا غصہ فوری طور پر منتدا ہو گیا۔

”میری زندگی برباد ہو گئی جتاب۔“ قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیوں بات کیا ہے؟“

”آپ دیکھ رہے ہیں۔“ قاسم نے چھالک کی طرف اشارہ کیا جس کے اس پار اب بھی خونخوار قسم کے کتے اچھل اچھل کر بھونک رہے تھے۔

”ہاں..... میں دیکھ رہا ہوں۔“ فریدی بھجنگلا کر بولا۔ ”تم بھی تو کچھ بکو۔“

”یہ سب میرے لئے کیا گیا ہے۔“

”کیوں..... بکو....!“

”میں حمید کو بدلتے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ فریدی اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا چھالک کے پاس پہنچ گیا۔ کہتے اسے دیکھ کر

دم ہلانے لگے۔ چھالک اندر سے متقل نہیں تھا۔ صرف پٹ بھیز دیئے گئے تھے۔

فریدی چھالک کھول کر اندر داخل ہو گیا اسے دیکھ کر نوکر بھی سامنے آگئے۔

”کس نے کھوالا ہے ان کتوں کو....؟“ اس نے غصیل آواز میں نوکروں سے پوچھا۔

”حمد صاحب تے۔“ ایک نوکرنے جواب دیا۔

”بند کرو انہیں....!“ فریدی کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس نے قاسم کی طرف پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔

قاسم کچھ دری تک نہ رے منہ بنا تارہا پھر واپس جا کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں

کھانی آگئی اور اس نے کچھ اس جملے ہوئے انداز میں کوٹھی کی طرف منہ کر کے بلغم تھوکا جیسے اسے توقع ہو کر وہ حمید کے چہرے پر ہی پڑے گا۔ ”بھی تو باہر نکو گے بیٹا۔“ وہ ناک سکوڑ کر بڑھا۔ ”میں بھی اب تمہارا قیمہ بنائے بغیر یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔“

اور حمید اندر اپنے کرے میں آرام کر کی پر پڑا ہوا نہایت اطمینان سے پاپ پی رہا تھا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر فریدی کا پارہ چڑھ گیا۔

”میں تمہیں بہت جلد کوئی بہت ہی سخت قسم کی سزا دوں گا۔“ فریدی نے جملے ہوئے لبجھ میں کہا۔

”کیوں.....؟“ حمید نے اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کئے۔

”قاسم کیوں شور کر رہا ہے؟“

”شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید کتے بھونک رہے تھے اور ابھی میں نے کتوں کی زبان سیکھی نہیں ورنہ پورا پورا مطلب سمجھا تھا۔“

فریدی چند لمحے اسے خونخوار نظرؤں سے گھوڑا تارہا پھر ایک نوکر کو آواز دے کر قاسم کو بلاں کے لئے کہا۔

”کبے..... او..... کہاں چلا۔“ حمید انھ کر نوکر کی طرف دوڑ۔ ”اگر تو نے اس کرے سے باہر قدم نکلا تو ناٹکیں توڑوں گا۔“

پھر وہ فریدی کی طرف پلٹ کر بولا۔ ”ماتا ہوں.... مگر وعدہ بھیج کر آپ اس آدم خور کو اندر نہیں آنے دیں گے۔“

”بکو جلدی..... میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں۔“

”آپ جانتے ہیں کہ وہ سور مجھے آئے دن بور کر تارہتا ہے کہ کسی ملکوی عورت سے تعارف کراؤ لہذا میں نے کل اس کا تعارف ایک پیشہ در قسم کی اینگلو اٹھین سے کرا کے دونوں کو خوب شراب پلاؤ اور پھر اس کے بعد انہیں گھر پہنچا دیا۔“

”کس کے گھر.....؟“

”قاسم کے.....؟“

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا اور حمید بولا۔ ”ظاہر ہے کہ خاصی مرمت ہوئی ہو گی۔“

”اُس کے جم پر شب خوابی کا بس ہے۔“ فریدی نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔
”یا یہ حقیقت ہے کہ اس کی بیوی...!“
”جی ہاں... ان دونوں میں آج تک میاں بیوی کے تعلقات نہیں قائم ہو سکے۔“ حید
جلدی سے بولا۔

”اچھا تم نہیں ظہرو... واقعی وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا اور
کمرے سے نکل گیا۔

ڈر انگ رومن میں پہنچ کر اس نے ایک نوکر کو سمجھ کر قاسم کو بولایا۔
”کیوں بھتی کیا معاملہ ہے...؟ بیٹھ جاؤ۔“

”بل کچھ نہیں... حید کو بلواد تجھے۔“ قاسم غصیل آواز میں بولا۔
”پہلے مجھے پوری بات بتاؤ۔“

”ایسے پوچھ جبجھے۔“
”مگر وہ تو کہتا ہے کہ کوئی بات ہی نہیں۔“

”خیر کوئی بات نہیں... دیکھا جائے گا۔“
”تو تم مجھے نہیں بتاؤ گے۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا بتاؤں... مجھے شرم آتی ہے۔“
بڑی مشکل سے قاسم نے ہکلا ہکلا کر اور شرما شرما کر پورا واقعہ دہرایا۔ پھر کچھ دیر خاموش

رہنے کے بعد بولا۔ ”والد صاحب دو تین دنوں کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں لیکن وہ جیسے ہی آئیں
گے وہ سمجحت فرآوائغ دے گی۔“

”قاسم مجھے افسوس ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں اکثر تمہارے لئے غمگین رہتا
ہوں۔ تم دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے...؟“

”اگر اس کا نام بھی لوں تو ٹوکری سے اڑا دیا جاؤں۔ کبھی کبھی تو تمہرا دل چاہتا ہے کہ میں ہی والد
صاحب کو گولی سے اڑا دوں۔“

”ہوں... مگر دیکھو... حید تمہارا ہمدرد ہے۔“
”میں کسی طرح نہیں مان سکتا... الاقسم... ابھی تو وہ سالی مجھ سے دو ہزار روپے بھی

وصول کرے گی۔“

”تم سمجھے نہیں.... اس نے تمہارے ساتھ کوئی نہیں کی۔ ذرا مختنے دل سے غور
کرو۔ تم میں اتنی بہت نہیں کہ تم اپنے والد سے دوسری شادی کے لئے کہہ سکو۔“
”بالکل ٹھیک ہے۔“

”لیکن انہیں کسی نہ کسی طرح حالات سے باخبر ہونا چاہئے ورنہ تم اس طرح سکھل کر
ٹی۔ بی میں جھلا ہو جاؤ گے۔“

فریدی نے یہ جملہ کچھ ایسے خلاصہ لمحے میں کہا کہ قاسم کی آنکھوں میں آنسو چکا آئے
اور وہ بھاڑ سامنہ پھیلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ غالباً یہ آنسو روکنے کی آخری تدبیر تھی۔

”اب یوں سمجھو...!“ فریدی نے لوہا گرم دیکھ کر دوسری ضرب لگائی۔ ”اگر تم دو تین پار
اسی ہی حرکتیں پھر کرو تو تمہارے والد کو ضرور تشویش ہو گی۔ پھر وہی وقت ہو گا کہ تم ان سے
سب کچھ صاف کہہ دو۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ اس صورت میں تمہارے مسئلے پر سمجھدگی ہے
غور کریں گے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ حید کی دی ہوئی گولیاں کڑوی ضرور ہیں مگر اس سے
تمہارا مرغ ضرور رفع ہو جائے گا۔“

”الاقسم جھوٹا ہے سالا... اس نے مجھے گولی دوںی نہیں دی۔“

فریدی نے بڑی ہٹھی سے اپنی ہنپی ضبط کی۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”تم سمجھے
نہیں۔ حید تمہیں دھوکے میں ڈال کر ابھی دوچار بار اور اس قسم کی حرکتیں کرے گا۔“

”کیا کہہ رہے ہیں آپ۔“ قاسم جلا کر کھڑا ہو گیا۔ ”میں آپ کا بہت ادب کرتا ہوں۔“

”ایسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی ہو جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب
تمہارے والد کو یقین آجائے کہ تم آوارگی کی طرف مائل ہو۔ حید نے کئی اسکیمیں بنا کر کی ہیں۔
شرط میں تمہاری تھوڑی بہت پرانی ضرور ہو گی مگر پھر معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔ کیا خیال
ہے... سمجھیا نہیں۔“

قاسم پھر بیٹھ گیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آہستہ سے
بولتا ”میں سمجھ گیا۔“

”سمجھ گئے تا... میں جانتا ہوں کہ تم کافی سمجھ دار ہو۔“

”مگر یہ بات تمھی تو مجھے پہلے ہی بتادیتا تھا۔“
 ”اگر وہ پہلے بتا دیا تو تم ہرگز نہ تیار ہو گتے۔“
 ”نمیک ہے۔“ قاسم سر ہلا بنے لگا۔
 ”ای لئے اس نے تمہارے ساتھ بظاہر دشمنوں کا سا برتاؤ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی ایکسیم بھی تمھی جو میں نے بتائی ہے۔“
 قاسم کچھ دیر تک خاموشی سے بیٹھا اپنی تانگیں ہلاتا رہا پھر بولا۔ ”لیکن میں اب گھر کیسے جاؤں۔ وہ کم بخت میری زندگی تینج کروتے گی۔“
 ”تو تم اس سے بھی ڈرتے ہو؟“
 ”اس سے نہیں بلکہ اپنے غصے سے ڈرنا ہوں کہیں کسی دن تانگیں چیر کرنے پھیک دوں۔ کچھ ہو فریدی صاحب میں والد صاحب کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔“
 ”اچھا یہ تو تمہیں تعلیم ہے ناکہ حید نے تم سے کوئی برائی نہیں کی۔“
 ”ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سوچ کر جواب دوں گا۔“
 ”حق نہ ہو... اگر تم والد کا سامنا کرنا نہیں چاہتے تو اپنا ضروری سامان لے کر یہاں آ جاؤ اور اگر زیادہ دنوں تک سامنا کرنے کا رادہ ہو تو میرے ہمراہ غیر ممالک کے دورے پر چلو۔“
 ”غیر ممالک کے دورے پر۔“ قاسم نے حیرت سے کہا۔
 ”ہاں... ہاں... چونہیں گھنٹوں کے اندر اندر تمہارے لئے پاسپورٹ اور ویزا حاصل کروں گا۔“
 ”میں بالکل تیار ہوں۔“ قاسم خوش ہو کر بولا۔ ”میں تو چاہتا ہوں کہ مجھے کچھ دن تک اس سالی کی اور اس کی کسی ہمدردی کی ٹھیک نہ کھائی دے۔“
 ”تو پھر اب تمہیں حید سے کوئی شکایت نہیں۔“ فریدی نے سگار سلاٹتے ہوئے پوچھا۔
 ”ہرگز نہیں۔“
 ”ہوں... اچھا ہب تم جا کر سامان یہاں لے آؤ۔“
 قاسم حد سے زیادہ خوشی کا لفڑا کر تاہو اور خست ہو گیا۔
 حید اس دوران میں ایک دروازے کے پیچے کھڑا رہا تھا۔ قاسم کے جاتے ہی وہ فریدی کے

سامنے آکر بولا۔ ”ماتا ہوں، اس بگڑے ہوئے تھی کامیابیت آپکے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“
 فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر بیزاری اور اکتاہت کے آثار نظر آرہے تھے
 ”تمہاری وجہ سے میرا بہت وقت بر باد ہوتا ہے۔“ اس نے کہا۔
 ”غالباً رات بھر میری ہی وجہ سے آپ کا وقت بر باد ہوتا رہا تھا۔“
 ”نہیں وہ وقت کا صحیح مصرف تھا۔“ فریدی آہست سے بولا۔ ”تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کر سکھیں رات سر کاری خزانے پر ڈاکہ پڑا تھا۔“
 ”پڑا ہو گا.... نہیں ڈاکوں واکوں سے کیا غرض۔“ حید لاپرواہی سے بولا۔
 ”لیکن ساری رقم تحفظ ہے۔“
 ”تو پھر ڈاکہ کیسا... حجم ناکامیاب رہے۔“
 ”وہ سو فیصد یہ کامیاب رہے حید صاحب۔ وہ خزانے سے صرف چاندی کا ایک حصیر سازیور لے گئے ہیں۔“
 ”کیا مطلب....؟“ حید اچھل پڑا۔
 ”اکا قوم کی شہزادی کا طوق....!“
 ”چلے اچھا ہی ہوا۔ ہم مفت کی دردسری سے فیک گئے۔“ حید نے سرت کا لفڑا کیا۔
 ”دردسری تو اب شروع ہو گی حید صاحب۔“ فریدی نے کہا۔ ”پہلے تو ہم شاید بر لش گی آئیں ہیں لکھ جاتے گرaba نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی پڑے۔“
 حید نے بہت برا سامنہ ہیلایا لیکن کچھ بولا نہیں۔
 فریدی کہتا رہا۔ ”چلی کی حکومت نے ہماری حکومت سے گفت و شنید کے بعد یہ طے کیا تھا کہ ہم اسے بر لش گی اتنا لکھ پہنچا دیں اور وہاں سے پھر ان کے آدمی لے جائیں گے۔“
 ”آخر ہماری حکومت نے اسے منکور ہی کیوں کیا تھا۔“ حید بولا۔ ”وہاں کی حکومت کا کوئی نمائندہ نہیں آگر اسے کیوں نہیں لے سکتا۔“
 ”سنوا! غلطی ہمارے ہی یہاں کے ایک شہری کی تھی۔ لو تھرا سے سگن ہی کی مدد سے چرا کر لایا تھا۔ اس نے ہماری حکومت کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ خود ہی اسے واپس کر ا دے۔“
 ”ہوں....!“ حید سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن آخر ہماں کی حکومت اس چاندی کے زیور کے لئے

”نبیں آج صحیح وہ مختلف مقامات سے پکڑے گئے ہیں اور ہاں اس چینی کی لاش... اس سے بہت کچھ رہنمائی ہوتی ہے... اور حمید صاحب آج کی رات میرے لئے بڑی خوشگوار ثابت ہو گی۔“

انخواہ

فریدی نے کیڈیلاک ایک تاریک گلی میں کھڑی کر دی۔ رات کے دس بجے تھے اور بندرگاہ کی یہ قریبی بستی سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ کیڈیلاک سے یونچے آتا۔ اس کے ساتھ قاسم بھی خالیکن ایک عجیب حلے میں۔ اس نے نیلے رنگ کی ایک ڈھیلی ڈھالی پتلون پہن رکھی تھی۔ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور سر کے پچھلے حصے پر ایک چھوٹی سی گول ٹوپی منڈھی ہوئی تھی۔ قمیض کی جگہ ایک ملگبی سی بنیان تھی۔ ڈاڑھی تھی تو چھوٹی تھی۔ لیکن... بال اتنے سخنان تھے... کہ.... موچھوں سے مل کر انہوں نے دہان بالکل ڈھک لیا تھا... اور.... پھر دیو جیسا ڈیل ڈول.... بہر حال.... قاسم حد درجہ خوفناک نظر آ رہا تھا۔

گلی سمنان پڑی تھی۔ فریدی تھوڑی دیر تک آہستہ کچھ کھتارا ہا۔ پھر وہ ایک طرف چل پڑے۔ آگے دوسرا گلی تھی جس کے سرے پر رک کر فریدی نے ہلکی سی سیٹی بجائی اور دوسرے بھی لئے میں تاریک گلی سے اس کا جواب ملا۔ آواز دور کی معلوم ہو رہی تھی۔

”بس اب جاؤ...!“ فریدی قاسم کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

قاسم پہلا گلی کے موڑ پر بھی نہیں پہنچا تھا کہ فریدی کی کیڈیلاک فرانٹ بھرتی ہوئی رہ رک پر نکل گئی۔

قاسم چلا رہا۔ اب وہ تاریک گلیوں سے نکل کر ایک کشادہ راستے پر چل رہا تھا۔ جس کے دونوں طرف ساخنورده پھروں کی عمارتیں تھیں اور ہیاں تاریکی بھی نہیں تھی۔ قاسم ایک عمارت کے سامنے رک گیا جس پر ”سیلس کلب“ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ یہ بندرگاہ کے علاقے میں ایشیائی چہازر انوں کی واحد تفریح گاہ تھی لیکن اکثر یہاں مشرقی مشیات کے شوقین یورپی باشندے بھی دکھائی دے جاتے تھے۔ خصوصاً ہالینڈ کے ملاج جو چرس بھرے سکرٹوں پر جان دیتے ہیں۔ اس عمارت میں پہلے دراصل مشیاب کے ایک لائنسس دار تاجر کا رہا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی دیسی مشیات کی کھپت پور و پین چہازر انوں میں بھی ہونے لگی ہے تو اس نے باقاعدہ طور

اتی بیتاب کیوں ہے؟“

”حافت آمیز سوال نہ کیا کرو۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔ ”اگر خزانے کی بات محض افواہ ہو تب بھی اس کا شادر آثار قدیمہ میں ہو گا اور چونکہ وہ جتوںی امر یہ کہ عی کے ایک شاہی خاندان کی یاد گار ہے اس لئے وہاں کے کسی بھی ملک کو اس کی خواہش ہو سکتی ہے۔“

”مگر آپ نے تو کہا تھا کہ اس پر کی تحریر حاصل کر لینے کے بعد وہ زیور بیکار ہو جاتا ہے۔ اس کی اتنی اہمیت نہیں رہ جاتی کہ اس کے لئے کوئی جدوجہد کرے۔“

”تم بالکل گدھے ہو۔ اہمیت کا سوال صرف سگھ عی کے لئے تھا میں اسے سگھ عی کے نظر سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر آثار قدیمہ کی حیثیت سے اس کی نظرؤں میں اس کی کوئی اہمیت ہوتی تو وہ اس مردہ شہزادی کے سارے عی زیورات اُندر لاتاصرف مشہور ہے کہ وہ انکا قوم کے شاہی خزانے کا سراغ بھی ہو سکتی ہے اب اگر ایک شخص اسے آثار قدیمہ والے نقطے نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ خزانے کے چکر میں ہے تو اس تحریر کے حاصل ہو جانے کے بعد طوق تو اس کے لئے ایک بے معنی چیز ہو گیا۔ پھر اس کے لئے ڈاکر زندگی کی ضرورت کیوں پیش آتی؟“

”سمجھ گیا....!“ حمید سر ہلاکر بولا۔ ”لیکن یہ ڈاکر پڑا کس طرح۔ وہاں تو بہت سخت پہرہ رہتا ہے؟“

”رہتا ہے.... لیکن پھرے والوں کو بد حواس کرنے کے لئے پانچ عدد اڑو ہے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔“

”کیا مطلب....؟“

”آنہوں نے گرد و پیش کئی عدد اڑو ہے ریکٹے ہوئے دیکھے۔ ظاہر ہے اگر کسی عمارت میں یہک وقت کی عدد اڑو ہے دکھائی دیں تو وہاں کے لوگوں کا کیا حال ہو گا.... بہر حال سنتری اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ کر ادھر اُدھر ہو گئے.... اور پھر جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔“

”اڑو ہے کیسے تھے؟“

”بالکل بے ضرر.... ایسے ہی جیسے اکثر تم نے پیروں کی گردنوں میں لٹکتے ہوئے دیکھے ہوں گے۔ جنہیں پچے بھی ہاتھوں میں اٹھا لیتے ہیں۔“

”کیا وہ اڑو ہے بھی ساتھ ہی لے گئے؟“ حمید نے پوچھا۔

نم۔ اسے یقین تھا کہ قرب و جوار میں اس کے مددگار موجود ہیں ورنہ اس پر بدحواسی کا دورہ کبھی کا پڑھ کا ہوتا۔ لیکن اس صورت میں بھی اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہوا میں اٹا جا رہا ہو۔ اسے نہ پی جامت کا احساس تھا اور نہ اس بوجھ کا احساس جو اسکے شانے پر پڑا ہوا نبیری طرح چل رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اس لگلی میں پہنچا جس کے سرے پر کھڑے ہو کر فریدی نے کسی کو کچھ اشارہ کیا تھا۔ جیسے ہی وہ لگلی میں گھساں پر سامنے سے مارچ کی روشنی پڑی اور پھر فور آئی ناکہ ہو گئی۔ دوسرے لمحے میں اس نے حمید کی آواز سنی۔

”چلے آؤ.... سید ہے.... گھبرا نامت....!“

لڑکی اس کے شانے پر بُری طرح چل رہی تھی۔ وہ اپنے منہ پر سے اس کا ہاتھ ہٹانا چاہتی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے دونوں ہاتھوں سے قاسم کو نونچ کھوٹ ڈالا تھا۔ لیکن شاید قاسم کو اس کا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

”اوہ رادھر....!“ حمید نے کہا۔ ”کار میں ڈال دو.... منہ دبائے رہنا۔“

قاسم اسے کار میں ٹھوں کر خود بھی اندر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

”منہ سے ہاتھ نہ ہٹئے پائے۔“ حمید نے ایک بار پھر کہا۔

کار گلیوں سے گزرتی ہوئی سڑک پر نکل آئی تھی اس کی کھڑکیوں پر سیاہ پر دے چڑھے ہوئے تھے لہذا باہر سے دیکھ لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ حمید بار بار قاسم کو تاکید کرنا جارہا تھا کہ لڑکی کے منہ سے ہاتھ نہ ہٹئے پائے۔

”یہ! اول گھبرا رہا ہے.... غمید بھائی....!“ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”اگر میرے کہنے کے خلاف کیا تو گولی مار دوں گا۔“ حمید نے غصیل آواز میں کہا۔

قاسم کے منہ سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگیں۔ پتے نہیں اس نے حمید کی بات کا جواب دینے کی کوشش کی تھی یا لڑکی نے کوئی دوسرا حرہ استعمال کیا تھا۔

”لیا ہوا....؟“ حمید نے نہ کر پوچھا۔

”لکھ.... غس.... غس نہیں....!“ قاسم ہاتھ پا ہاکلایا۔

کار فرائٹے بھرتی رہی۔ رات زیادہ گذر جانے کی وجہ سے سڑکوں پر بھیڑ بھی نہیں تھی۔

قاسم پر بدحواسی کا دورہ پڑھ کا تھا اور اسے اب صرف اس کا احساس رہ گیا تھا کہ اس کی سائنس

پر چانڈو خانہ چلانے کیلئے اجازت حاصل کریں اور اس کا وبار ”سیلریس کلب“ کے تحت چلے لگا۔ حکام سے بنائے رکھتا تھا۔ اس نے عموماً غیر قانونی حرکتیں بھی اس سے سرزد ہو جاتی تھیں۔

قاسم بے دھڑک اندر کھتا چلا گیا۔ عمارت کا نقشہ اسے پہلے ہی اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا۔ جیسے ہی وہ بڑے کمرے میں داخل ہوا کئی نظریں اس کی طرف بیساختہ اٹھیں۔ اس کے ڈیل ڈول کا جائزہ لیا اور جھک گئیں۔ قاسم اس لباس میں دراصل کسی جہاز کا خلاصی معلوم ہو رہا تھا۔ وہ ایک خالی میز پر بیٹھ گیا۔ گرد و پیش سے مختلف قسم کی آوازیں اباہر ہی تھیں۔

اس نے ایک دیٹر کو اسدارے سے بلا کر چائے طلب کی مگر یہاں کی بدبو دار فضائیں اس کا دام گھٹا جا رہا تھا۔ مختلف قسم کے مشیات کے دھوئیں کے مرغولے کر کرے میں چکراتے پھر رہے تھے۔ اس نے کسی نہ کسی طرح چائے زہر مار کی اور بُر اسامنہ بنائے ہوئے کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ وہاں مختلف ممالک کے جہاز راں نظر آرہے تھے۔ چینی، جاپانی، ملائی، بر میز، انڈو یونیکنی وغیرہ، دو ایک چہرے سفید نسل سے بھی تعلق رکھتے تھے۔

اچانک قاسم کی نظر ایک سانوی سی لڑکی پر پڑی جو کاؤنٹر کے پیچے سے نکل کر ہال میں آرہی تھی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

لڑکی کے جسم پر نارنجی رنگ کا اسکرٹ تھا اور اس کے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی تہہ چڑھی ہوئی تھی۔ چہرے پر پاؤڑہ نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں؟ ہو سکتا ہے خود اسے ہی اس بات کا احساس ہوا ہو کہ وہ پاؤڑر سے بغیر ہی اچھی لگتی ہے یا پھر اس میں تھوڑا بہت مطلق شعور بھی رہا ہو۔ کیونکہ چہرے کا پاؤڑر اسکرٹ کے پیچے کا مل کلوٹی پنڈلیوں کا عیب نہیں چھپا سکتا۔

قاسم نے بڑی بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ لڑکی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صدر دروازے کی طرف آرہی تھی۔ کبھی کبھی وہ مسلکر اکر ادھر ادھر بیٹھنے ہوئے لوگوں کی باتوں کا جواب بھی دیتی جاتی تھی۔

جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچی قاسم نے اچھل کر اسے پکڑ لیا۔ ایک پل کے لئے اس کی نظر قاسم کے چہرے پر پڑی اور اس کے منہ سے جیج نکل گئی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ یہ وقت ہال میں اندر بھرا ہو گیا۔ شور پیچ گیا۔ کریں اور میزیں اٹھنے لگیں۔

قاسم لڑکی کو کانڈے ہے پر ڈالے اور ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبائے ہوئے گلی میں بھاگ رہا

چل رہی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا سارا وجود ہم کے ساتھ میں گم ہو چکا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس پر غنودگی کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ لیکن اس کے ذہن نے اپنک پھر سنبالا لیا۔ ساتھ ہی اسے ایک سریلی آواز بھی سائی دی۔ ”میں شور نہیں چاول گی۔“

”اوہ... ہف... شکریہ شکریہ... اے ہائی۔“ قاسم بوکھلاہٹ میں حید کا سرٹولنے لگا۔ ”میں شور نہیں چاول گی.... میری جان نہ لو۔“ لڑکی دوبارہ دبی دبی کی آواز میں بولی۔ ”ہائی ابے کیا چھوڑ دیا۔“ حید بھنا کر بولا۔

”اے... حید بھائی۔“ قاسم ہکلا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھتی میں نہیں آیا کہ لڑکی اس کی گرفت سے کس طرح نکل گئی۔

”ابے!“ قاسم کے پیچے۔

”میں کیا کروں حید بھائی۔“ قاسم رو دینے والی آواز میں بولا۔

”میں کہہ رہی ہوں کہ میں شور نہیں چاول گی۔“

”جی ہاں... جی ہاں...!“ قاسم جلدی سے بولا۔

”اچھا...!“ حید نے قاسم سے کہا۔ ”اگر یہ شور چائے تو گلا گھونٹ کر مار ڈالنا۔“

قاسم کچھ نہ بولا۔ لڑکی بھی ایک کنارے دبکی بیٹھی رہی۔ اس نے قاسم کی خونخوار ٹھکل کی ایک ہی جھلک دیکھی تھی لیکن اس کے ذہن پر اب بھی اس کا خوف مسلط تھا۔

ٹھوڑی دیر بعد کار فریڈی کی کپکاٹ میں داخل ہوئی۔ کوئی تاریک پڑی تھی۔ حید کار کو سیدھا پورٹکو میں لیتا چاگایا اور اس نے برآمدہ تاریک ہونے پر ذرہ برابر بھی تشویش کا اعلہہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ان کی ایکیم ہی کا کوئی بزور ہا ہو۔

اس نے کار سے اتر کر سب سے پہلے قاسم کو کار سے نکالا۔ پھر لڑکی سے اتنے کو کہاہ چپ چاپ نیچے اتر آئی۔ حید نے تارچ بھی نہیں روشن کی۔

وہ اندر ہیرے ہی میں برآمدے سے گزر کر اندر پہنچ۔ اندر روشی تھی۔ لڑکی نے قاسم کو غور سے دیکھا جو ایک آرام کری یہ پڑا ہانپ رہا تھا۔ اس کی مصنوعی ڈاڑھی کی جگہ سے اکھر گئی تھی اور چہرے پر ناخنوں کی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر جم گیا تھا۔

”بیٹھ جاؤ...!“ حید نے لڑکی سے کہا۔

لیکن وہ کھڑی رہی۔ قاسم اپنی مصنوعی ڈاڑھی کے بال نوچ کر پھینک رہا تھا۔ اس نے اپنے خنک ہونٹوں پر زبان پھیر کر لڑکی کی طرف دیکھا۔

لڑکی کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ اس کی سانوں رنگت پر لپ اسٹک نہیں معلوم ہوتی تھی۔ وہ خوبصورت نہ سہی مگر جاذب نظر ضرور تھی۔



پرنسپن کے ایک موڑ گیراج کے سامنے ایک جیپ کا رکی اور اس پر سے ایک آدمی کو دکر بھاگتا ہوا گیراج کے اندر چلا گیا۔

کافی رات گذر جانے کے باوجود بھی گیراج میں کام ہو رہا تھا۔ آنے والا بھاگتا ہوا ایک میز کے قریب پہنچا جہاں ایک توییکل اور بار عرب آدمی بیٹھا وائگھ رہا تھا۔ اپنے قریب آہٹ محسوس کر کے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دو خوفاں اور سرخ آنکھیں پھر اس نے اپنی چڑھی ہوئی موچھوں کو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے سہارا دے کر آنے والے کی طرف دیکھا۔

”میں سیلس کلب سے آیا ہوں۔“ آنے والے نے اس کے چہرے پر سے نظر ہٹا کر کہا۔ ”ہوم! تو پھر...؟“

”لڑکی کو کوئی اٹھا لے گیا۔“

”ہام...!“ خوفاں چہرے والا کھڑا ہو گیا۔ ”کوئی اٹھا لے گیا۔ کسی نے بجلی کی میں لائن کاٹ دی تھی۔“

اس نے آنے والے کو گریبان سے پکڑ کر ایک طرف دھکیل دیا اور خود آگے بڑھ کر ایک موڑ سائیکل اٹھائی اور پھر وہ موڑ سائیکل گیراج کے اندر رہی سے اشارت ہو گئی۔

آنے والا ایک کنارے کھڑا اپنا کار درست کر رہا تھا۔ اس نے گیراج سے نکلتی ہوئی موڑ سائیکل کو بڑی کیسہ تو ز نظروں سے دیکھا۔

موڑ سائیکل اب سڑک پر جا رہی تھی۔ طوفان کی طرح۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سوار یا تو پاگل ہو گیا ہو یا اسے اپنی جان کا خوف نہ ہو۔ موڑ سائیکل زیادہ تر شہر کی سنستان سڑکوں ہی کی

طرف مژری تھی اور پھر کچھ دیر بعد اس کا رخ لڑکال جنگل کی طرف ہو گیا جب وہ سڑک سے کچھ زمین پر اترنے لگی تو ایک جہاڑی سے نارج کی روشنی کی ایک لمبی سی شعاع اس کے پیچے پھیلتی چلی گئی۔

❖

حید قاسم کو عجیب انداز سے دیکھ رہا تھا اس میں غصہ معنگل اور ہمدردی سمجھی کچھ تھا۔ وہ لڑکی جسے وہ "سیلس کلب" سے بالآخر اٹھا کر لائے تھے اتنے اطمینان سے ایک آرام کر کی پر نیم دراز تھی جیسے ان کی خاص الخاص استدعا پر اپنی پارٹی میں شرکت کے لئے آئی ہو۔ وہ تینوں خاموش تھے اور قاسم بار بار اس طرح اپنی آنکھیں مل کر لڑکی کو دیکھنے لگتا تھا جیسے اس کے وجود پر یقین نہ ہو۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" حید نے لڑکی سے پوچھا۔
"اوہ.... میرا نام نہیں معلوم۔" لڑکی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
"جی ہاں.... جی ہاں نہیں معلوم....!" قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ پھر وہ اس طرح منہ چلانے لگا جیسے منہ میں مسری کی ذلی رکھ کر بھول گیا ہو۔

"حیرت ہے کہ آپ لوگ میرا نام بھی نہیں جانتے حالانکہ اس طرح اٹھا کر لائے تھے۔"
"الا قسم نہیں جانتے۔ جھوٹ تھوڑا ہی ہے۔" قاسم پچ کر بولا۔
حید اسے گھورنے لگا۔

"ہائیں گھورتے کیوں ہو۔" قاسم نے کہا۔ پھر سر پر ہاتھ ناد کر بولا۔ "تو تم ہی بات کرونا.... میں کون ہوتا ہوں۔"

حید چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر لڑکی سے بولا۔ "لیکن تم اس کے باوجود بھی بہت مطمئن نظر آ رہی ہو۔"

"پھر....!" لڑکی مسکرائی اور ایک طویل انگرائی لے کر بولی۔ "میری زندگی ہی بیہی ہے۔"
"زندگی....!"

"ہاں.... لیکن میں شاعری نہیں کر رہی ہوں۔"
حید کچھ نہ بولا۔ قاسم بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں مل کر لڑکی کو

و یکشارون ع کر دیا۔ پھر اپنے بازو پر زور سے چٹکی لی اور "سی" کر کے رہ گیا۔ لڑکی کرے کا سازو سامان دیکھ رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی انگلیاں کری کے ہتھے پر اس طرح چل رہی تھیں جیسے اس کے ذہن میں واپسیں کا تصور ہو۔

"ایک سگریٹ دو گے۔" اچانک وہ حید کی طرف مژر کر بولی۔

"ہاں.... آں.... آں....!" حید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "وزیرے کرے سے سگریٹ کا ذائقہ اٹھا لاؤ۔"

"اچھا....!" قاسم اٹھتے پھر بیٹھ گیا۔

"کیوں....؟"

"کوڈ جا کر لاوٹا.... میں تمہارے باب پکانو کر تو نہیں۔"

"مجھے بتاؤ.... میں خود لاوں۔" لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔

"بیٹھو بیٹھو....!" حید ہاتھ اٹھا کر بولا اور قاسم کو گھورتا ہوا کرے سے چلا گیا۔

لڑکی نے قاسم سے کہا۔ "آپ نے بھیں خوب بدلا تھا۔"

"اُرے ہی.... ہی.... ہی.... میں کیا.... انہیں سالوں نے گت بنالی تھی۔"

"یہ ہیں کون....؟" لڑکی نے بڑے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"اُرے تم نہیں جانتی....؟"

لیکن قبل اس کے کہ وہ جملہ پورا کرتا حید سگریٹ کا ذائقہ لے کر واپس آگیا۔ قاسم چپ ہو گیا۔ حید نے شاید اس کا اوہ ہورا جملہ سن لیا تھا۔ اس لئے اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی

قاسم سے کہا۔ "اپنے کرے میں جاؤ۔"

"پھر وہی....!" قاسم بھنا گیا۔ "لیکن تم سے دیتا ہوں....؟"

"اوہ....!" لڑکی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ "یہ مجھے ناپسند ہے شاید اب.... تم دونوں آپس

میں لڑو گے۔"

"ضرورت پڑی تو ضرور لڑیں گے۔" قاسم اکڑ کر بولا۔ وہ اپنے بازوؤں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"تم یہاں اپنی موجودگی کا غلط مقصد سمجھ رہی ہو۔" حید اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"تھوڑی ہی دیر بعد تم آزاد ہو گی۔"

”مجھے حیرت ہے۔ تم لوگ مجھے بہت ہی خطرناک قسم کے آدمیوں کے درمیان سے لائے ہو۔“ لڑکی بولی۔

”کیا واقعی....؟“ حید نے حیرت کا اظہار کیا۔ ”میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔“

”تم مجھے کیوں لائے ہو....؟“

”بس یونہی تفریخاً.... تمہیں قریب سے دیکھنے کے لئے۔“

”شاید میں پاگل ہو جاؤں گی۔“ لڑکی اپنی پیشافی رگڑتی ہوئی بولی۔

”کیوں....؟“ حید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

”میرے زندگی میں بدمعاشوں میں گذری ہے۔ مگر ایسے بدمعاش.... انہوں نے میرے لئے کافی کشت و خون کیا ہے۔ مجھے دوسرے بدمعاشوں سے چھین لائے ہیں۔ میری گھباداشت ہوتی ہے۔ میں جب بھی باہر نکلتی ہوں میرے ساتھ دو آدمی ہوتے ہیں اور ان کی جیہیں خانی نہیں ہوتیں۔ وہ ریوال اور رکھتے ہیں لیکن مجھے اب تک یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ مجھے دوسروں سے کیوں چھین لائے ہیں؟“

”پہلے تم کہاں تھیں؟“

”ضدر آباد میں.... کبر لینڈ ہوٹل کی ہو سش لیکن مجھ پر چند بدمعاشوں کا قبضہ تھا۔“

”یہ لوگ تمہیں کب لائے؟“

”ایک ماہ پہلے کی بات ہے۔“

”سرغنا کون ہے؟“

”میں نام نہیں جانتی لیکن وہ خوفاک آدمی ہے۔ بڑی ہو چکوں اور خونخوار آنکھوں والا۔“

”سیلس کلب کا نیجر....؟“ حید نے پوچھا۔

”نہیں.... وہ تو.... وہ بھی اس سے دیتا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ سیلس کلب سے اس کا کیا تعلق ہے۔“

”تم سیلس کلب میں رہتی ہو....؟“

”ہاں.... وہاں مجھے ایک کمرہ دیا گیا ہے۔“

”تم سے کام کیا لیا جاتا ہے؟“

”پچھے بھی نہیں.... اکثر شام کو مجھے کاؤنٹر پر بیٹھنے کو کہا جاتا ہے اور بس۔ مجھے قید کر کے میں رکھا گیا۔ لیکن پھر بھی گرانی کافی ہوتی ہے۔ میں تمباہر نہیں نکل سکتی اور ہاں رات کو وہ پیر اکرہ باہر سے مقلع کر دیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں خواب میں چلتی ہوں۔ سوچتے ہوں گے ملن کے مجھے کوئی حادثہ پیش آجائے۔ عجیب بات ہے مجھے یقین نہیں آتا مگر لوگ کہتے ہیں۔ مفتر آباد میں ایک سائیکلو اسٹس نے کہا تھا کہ جو کام میں جاتے میں نہیں کرنا چاہتی یا کرنا بھول جاتی ہوں اسے نہیں.... کی حالت میں کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن مجھے بالکل علم نہیں ہوتا.... ہے تا عجیب بات۔“

حید چند لمحے سے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“

”ریکھاڑا نیکیل.... میں کر چھین ہوں۔“

”نیکیل....؟“

”ہاں وہ میرے باپ تھے۔“

حید پچھے اور پوچھنے والا تھا کہ اپاک پوری عمارت کی روشنی غائب ہو گئی۔ حید بوکھلا کر اٹھا۔ وہ قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ ”خبردار.... گولی مار دوں گا۔“ وہ ریوال نکال کر چیخا اور پھر اندر ہیرے ہی میں ایک فائر بھی کر دیا لیکن اس کے جواب میں اس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی۔

ایک بھم کی لاشیں

”کیا ہوا حید بھائی؟“ اس نے قاسم کی آواز سنی اور پھر اپاک اسے یاد آیا کہ اس سے ایک زبردست علٹی سرزد ہوئی تھی۔ اسے لوکی کو لے آنے کے بعد پھاٹک بند کرا کے کپڑا نہیں رکھوائی کرنے والے کے چھوڑ دینے چاہئے تھے۔

فریدی نے خاص طور پر اس کی تاکید کی تھی۔ لیکن وہ بھول ہی گیا۔ وہ بڑی تیزی سے دروازے کی طرف لپکا لیکن اس کا سر بند دروازے سے ٹکر اکرہ گیا۔

”حید بھائی....!“ قاسم نے بھر گھٹی گھٹی سی آواز میں اسے پکارا۔

”چپ رہو حید بھائی کے بنچ۔“ حید جھلا گیا۔ وہ دیوار کے سہارے چلتا ہوا کرے کے دوسرا دروازے ٹھوٹا پھر رہا تھا۔

”بڑے آئے گرنے برنسے والے۔“ قاسم غرا کر بولا۔ ”خود مزے کر رہے ہیں...
ہاں.... نہیں تو....!“

”لبے کیا بکتا ہے مردود...؟“

”ٹھہر تو جاؤ باتا ہوں۔“ قاسم اندر ہیرے میں ادھر ادھر ہاتھ چلاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔
حید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ دفعائے یاد آگیا کہ اس کی جیب میں سگار لائٹر پا ہو
ہے۔ دوسرے ہی لمحے میں سگار لائٹر کی نفحی سی لو اندر ہیرے میں بلجنے لگی۔

”ہائیں....!“ قاسم بو کھلا گیا۔ ”لل.... لوکی.... کدھر گئی؟“

”جہنم میں....!“ حید غرایا۔

”اماں تم ٹھیک سے بات کیوں نہیں کرتے آخر۔“ قاسم آستین چڑھاتا ہوا آگے بڑھا۔
”دور رہنا.... نہیں تو اچھا نہ ہو گا۔ تمہاری وجہ سے وہ نکل گئی۔“

”نکل گئی....؟“ قاسم نے حیرت سے کہا۔

”تم شاید سور ہے تھے۔“ حید نے کہا پھر اچانک اس کے منہ سے ایک تحریز دہ کی آواز نکلی۔
وہ دروازے کے قریب پڑی ہوئی ایک عجیب وضع کی چیز کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ دروازنے کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر وہ اسے دیکھنے کے لئے جھکا۔ دوسرے ہی
لمحے میں اس کے منہ سے بلکی سی چیج نکلی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ سگار لائٹر بھج گیا۔ اس نے
اسے بدقت تمام دوبارہ روشن کیا۔ قاسم نے بھی آگے بڑھ کر اس چیز کا جائزہ لیا اور ہنسنے لگا۔

”اماں بو تل سے ڈرتے ہو.... وہ.... وہ.... مگر ہائیں۔ یہ کیا۔ یہ بو تل ہے یا گھری۔....
الا قسم گھری کی طرح نکل نکل نکل کر رہی ہے۔“

”قاسم....!“ حید کپکاپا ہوئی آواز میں بولا۔ ”دروازہ توڑو.... جلدی کرو۔“

”کیوں....؟“

”جلدی کرو.... ادھر آؤ.... اس دروازے میں نکل مارو۔“

”کیوں....؟“ عجیب آدمی ہو۔“

”جلدی کرو سور.... یہ بو تل یا گھری نہیں بلکہ نائم۔ بم ہے۔“

”ہائیں ہم.... اے باپ رے۔“ قاسم بد خواہی میں ایک کری کے پائے سے الٹھ کر منہ

کے مل فرش پر گرد۔

حید بے تھاش ایک دروازے پر نکریں مار رہا تھا لیکن اس کے بس کاروگ نہیں تھا۔ کمرے
میں پھر اندر چھا گیا۔ سگار لائٹر کی اسپرٹ کب تک چلتی۔

”او قاسم کے بچے۔“ وہ حلچ پھاڑ کر چینج۔

”یار مذاق نہ کرو۔“ قاسم خوفزدہ آواز میں بولا۔ پھر اس نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے
کہا۔ ”نہیں جھوٹ بدم پکھ نہیں بدل ہے بدل... وہ حید بھائی۔“

حید بٹولتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ ”آؤ.... اٹھو.... خدا کے لئے۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر
ذرواڑے کی طرف کھینچنے لگا۔

”کیوں.... یار پریشان مت کرو.... لائٹ جلاو۔“ مجھے نیند آرہی ہے۔ قاسم نے بھاڑ سا
منہ پھاڑ کر جماہی لی۔

”قاسم.... اگر یہ بدم پکھ گیا تو ہمارے پرچے اڑ جائیں گے۔“

”اماں.... مت الوبناو۔“ قاسم پھر ہنسنے لگا۔
حید اسے چھوڑ کر دوبارہ دروازے پر نکریں مارنے لگا تھا۔



جس وقت ”سیلریس کلب“ میں ہنگامہ ہوا فریدی عمارت سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس نے
قاسم کو کامیاب ہوتے بھی دیکھا تھا اور اب اسے اس کے رد عمل کا انتظار تھا۔ ہنگامہ بڑھتا ہی گیا۔
لوگ عمارت سے نکل کر سڑک پر اکٹھا ہو گئے تھے اور ان میں سے کچھ قرب دیوار کی تاریک اور
سنمان گلیوں میں گھستے پھر رہے تھے۔

اچانک اسی بھیڑ میں ایک جیپ کا اسٹارٹ ہوئی اور بھیڑ کی پروادہ کے بغیر اندر ھندھندا ایک
طرف بھاگنے لگی۔ لوگ چیختنے ہوئے ادھر ادھر ہٹ گئے دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے ایک
تاریک گلی میں گھس کر اپنی موٹر سائیکل سنبھالی اور جیپ کا رکتا تھا۔ کیونکہ جیپ کا رڈائیور اپنی گاڑی بابر چھوڑ کر
کیراج کے اندر چلا گیا تھا۔

پھر اس نے کیراج کے اندر سے ایک موٹر سائیکل نکلتے دیکھی اس پر بیٹھنے ہوئے آدمی کو

باؤں سے بھی محروم ہو گیا تھا اس لئے اسے اپنی موڑ سائیکل کی ہیئت لاتھ روش کرنی پڑی۔ پچھے دیر بعد اگلی موڑ سائیکل ایک پگڈی نڈی پر مزگتی۔ فریدی کافی فاصلے پر تھا۔ اس نے رفتار جھانی لیکن دوسرا ہی لمحے میں جنگل پر سکوت طاری ہو گیا۔ اگلی موڑ سائیکل کا انجن بند ہو گیا۔ فریدی نے موڑ سائیکل روکتے روکتے اس پگڈی سے بھی آگے نکل گیا۔

اس نے موڑ سائیکل روک کر ایک طرف کھڑی کر دی۔ اگلی موڑ سائیکل کا انجن بند و جانے کے بعد موڑ سائیکل سمیت جنگل میں گھنٹا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

وہ آہستہ آہستہ پگڈی کی طرف بڑھنے لگا۔ سارا جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کبھی کبھی آس پاس کے درختوں پر کوئی بڑا پرندہ اپنے پر پھر پھر اتا اور پھر وہی یو جھل سکوت طاری ہو جاتا۔

فریدی پگڈی نڈی پر مزہی رہا تھا کہ اچانک آسمان سے اس پر کوئی چیز گری ہلکی چھکلی سی لیکن اتنی بڑی کہ اس نے فریدی کے گرد احاطہ کر لیا اور پھر وہ اس میں لپٹتا ہوا میں پر لگ گیا۔

”جال....!“ اس کے ذہن نے دہر لایا اور جیب میں پڑے ہوئے روپ اور کے گرد اس کی لرفت مغبوط ہو گئی۔

وہ جال میں نہی طرح پھنس گیا تھا اور اب وہ غیر ارادی طور پر جال سمیت آگے کی طرف پھسل بھی رہا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ خود کو روک سکے لیکن شاید کئی آدمی بیک وقت اس پر اپنا زور صرف کر رہے تھے۔

آخر ایک جگہ اس کے سر میں ٹھوکر گئی شاید یہ کسی درخت کا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنا بیالا ہاتھ اس کے گرد پھنسادیا۔

داہنے ہاتھ میں روپ اور تیار تھا۔ دوسری طرف سے زور ہوتا رہا۔ لیکن جال اس جگہ سے ایک انج آگے نہ بڑھ سکا۔

پھر فریدی نے جال کی ڈور کے بالکل سیدھے میں کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ شاید کوئی جال کی تین ہوئی ڈور کے سہارے اس طرف آ رہا تھا۔

فریدی کے روپ اور سے شعلہ نکلا اور ایک گجر خراش چیخ دوڑتک سنائے میں لہراتی چل گئی۔

دیکھ کر وہ چونکا اور پھر اسے جیپ والے کا انتقام فضول معلوم ہونے لگا۔ دوسرے لمحے میں وہ بڑی موڑ چھوٹ والے موڑ سائیکل سوار کا تعاقب کر رہا تھا۔

فریدی کی موڑ سائیکل میں بہت بھی نیس قسم کا سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ اس نے اس کی آواز زیادہ دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

تعاقب جاری رہا۔ متعاقب بہت جلدی میں معلوم ہوتا تھا۔ اس کی موڑ سائیکل طوفان کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔ فریدی نے اپنی موڑ سائیکل کی ہیئت لاتھ بجھادی تھی اور آگے والی موڑ سائیکل کی عقبی سرخ روشنی پر نظر جماعتے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ اگلی موڑ سائیکل لڑکاں جنگل کی طرف جا رہی ہے۔

فریدی نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیہ سی جینش دی۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ سنگ ہی لڑکاں جنگل میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے اسی لئے اس نے اس دوران میں اپنا زیادہ تروقت لڑکاں جنگل میں گزارا تھا۔ لیکن اس طرح ہم سے سنگ ہی کو اس کا علم ہو جائے اور یہی ایسا طریقہ تھا جس کی بناء پر سنگ ہی تک پہنچ بھی ممکن تھی۔ ورنہ اتنے بڑے اور گھنے جنگل سے کسی کو ڈھونڈنے کا لانا مشکل ہی تھا اور آج کی اسکیم تو اس کی دانت میں بہت ہی شاندار تھی۔

سیلر میں کلب تک اس کی رسائی اسی حادثے کی وجہ سے ہوئی تھی جو لڑکاں جنگل سے واپس آتے وقت پیش آیا تھا۔ حملہ آوروں میں سے ایک چینی کا خاتمه ہو گیا تھا تحقیقات کرنے پر اس چینی کا تعلق سیلر میں کلب سے ظاہر ہوا۔ پھر سیلر میں ایک ایسی لڑکی دریافت ہوئی جس کی شخصیت بڑی پہر اسرار تھی۔ بظاہر وہ معمولی صورت شکل کی ایک آوارہ سی لڑکی تھی ایسی ہی جیسی اس قسم کے مقامات پر عموماً پائی جاتی ہیں گروہ لڑکی گرانی میں رکھی جاتی تھی۔

فریدی نے دو تین گھنٹے تک اس کے متعلق چھان بیں کی لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ پھر اس نے ایک اندر ہی جال چلی۔ لڑکی کو مرکزی خیال بنا کر ایک پلات مرتبا کیا۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر وہ لڑکی سنگ ہی سے متعلق ہوئی تو اس طرح سنگ ہی تک رسائی ممکن ہو جائے گی۔

ابھی تک تو اس کے اندازے درست نکلے تھے اور پھر جیسے ہی متعاقب کی موڑ سائیکل نے لڑکاں جنگل کا رخ کیا سے اپنی کامیابی کا سو فیصدی یقین ہو گیا۔

اب دونوں موڑ سائیکلیں جنگل کی وسطی سڑک پر دوڑ رہی تھیں۔ یہاں فریدی تاروں کی

پھر دنخنا کی قدموں کی آئیں ملے گیں۔ فریدی نے پھر فائز کیا۔ اس بار ایک بہت زخمیہ آواز ہمالی کی شعل میں سنائی دی۔ شاید وہ بھی زخمی ہو گیا تھا۔

آئیں بند ہو گئیں لیکن کسی آدمی کی ہلکی کراہیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ جال اگر دیش میں تھے لہذا ان تک اس کی آواز پہنچنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ لڑکی کو لانے کے بعد سیکھ کم ہو گیا تھا۔ شاید اس کی ڈور چھوڑ دی گئی تھی۔ فریدی نے جال کے پھندے توڑنے چاہئے، اسی نے نوکروں کو پھٹھی دے دی تھی۔

وہ پھر جھلا کر قاسم کی طرف پلتا۔

”اچھا... مرد سالے... جہنم میں جاؤ۔“

”اے... گالی والی مت دینا۔“ قاسم غریباً

”ابے خدا کی قسم وہ نائم ہم ہے۔“

”میرے ٹھیک ہے پر...“ قاسم لاپرواں سے بولا۔

”تمہارے چھوڑے اڑ جائیں گے۔“

”پروانہ کرو...!“ قاسم نہ کر بولا۔ ”میں تمہیں خوب سمجھتا ہوں... اس میں بھی کوئی نہیں۔“

”بنا دوہ لوٹیا کھاں ہے؟“

”لوٹیا کے بچے۔“

”خاموش...!“ قاسم جلت پھاڑ کر چینا۔ ”زبان سے گدی کھنچ لوں گا۔ تم خود لوٹیاں کے کی ڈور دوبارہ تن گئی تھی اور اسے پھر کھینچا جانے لگا تھا۔

فریدی کے منہ سے ہلکی سی غراہت نکلی اور پھر اس نے چاروں طرف سے ہونے والے لئے دکھائی دی۔

اس کے بعد اسے وہاں سے نکل بھاگ کے کی تدبیر کرنی چاہئے تھی مگر اس پر تواب خون سوار

ہو گیا تھا۔ اس نے ایک درخت کے تنے کی آڑ لے کر انہاد ہند چاروں طرف گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ پھر وہ ریوالوں کے خالی چینبر بھرنے کے لئے رکا ہی تھا کہ اس پر بیک وقت کی

آدمی ٹوٹ پڑے۔

”نکل آکر... باہر نکل آؤ... خطرہ ہے۔“

اب قاسم کی کھوپڑی کی برف بھی کچھ پکھلی وہ سوچنے لگا اگر یہ مذاق ہوتا تو حمید نوکروں کے

ہاتھ اس قسم کی حرکت نہ کرتا۔

”برساو... گولیاں برساو۔“ کوئی زور سے چینا۔ ”اہم... اس طرف۔“

قبل اس کے کہ فریدی اس آواز پر بھی فائز کرتا۔ بیک وقت کی فائز ہوئے اور ایک گولی تو اس درخت کے تنے پر بھی گلی جس سے فریدی جال سمیت چھٹا ہوا تھا۔

خطرہ اب بڑھ گیا تھا۔ فریدی نے سوچا اگر انہوں نے چاروں طرف سے گیر کر فائز کرنا شروع کیا تو پچاؤا ممکن ہو جائے گا۔

فائز پھر ہوئے اور اس بار وہ بال بال بچا۔ اس کا خدشہ درست نکلا تھا۔ اس بار اس کی پشت کی

طرف سے بھی فائز ہوئے تھے۔

اس نے درخت کا تنا چھوڑ دیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ منہ کے بل زمین پر چلا آیا۔ جال بیک... بلکہ چھو کر کی کے پلے۔“

فائز کے منہ سے ہلکی سی غراہت نکلی اور پھر اس نے چاروں طرف سے ہونے والے لئے دکھائی دی۔

فائزوں کی پروانہ کے بغیر جال کے نکلے نکلے کر دیئے۔

اس کے بعد اسے وہاں سے نکل بھاگ کے کی تدبیر کرنی چاہئے تھی مگر اس پر تواب خون سوار

ہو گیا تھا۔ اس نے ایک درخت کے تنے کی آڑ لے کر انہاد ہند چاروں طرف گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ پھر وہ ریوالوں کے خالی چینبر بھرنے کے لئے رکا ہی تھا کہ اس پر بیک وقت کی

آدمی ٹوٹ پڑے۔

”مل گیا... مل گیا۔“ ان میں سے ایک چینا۔

”آگے بڑھو...!“ کسی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔
 ”ہماری جانیں فالتو نہیں ہیں۔“ کسی دوسرے نے کہا۔ ”تم خود کیوں نہیں بڑھتے؟“
 ”اچھا...!“ غرائی ہوئی آواز کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا۔ ایک چیز ابھری اور شاید احتجاج
 کرنے والا ہمیشہ کے لئے مختدرا ہو گیا۔
 کوئی پچھنہ بولا اور نہ کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔
 ”میا تھاری شامت آگئی۔“ غرائی ہوئی آواز پھر سنائے میں گوئی۔
 ”میا کریں جتاب اندر ہیرا۔“ کسی نے دلبی کی آواز میں کہا۔
 ”اندھیرے کے بچے! اگر وہ بچ کر نکل گیا تو پھر ہم شہر میں قدم بھی نہ رکھ سکیں گے۔“ تم
 سب نے لکر کراس وقت کا کھلیل بگزارا ہے۔
 مخالف سمت سے پے در پے تین فائر ہوئے اور ادھر دو چینیں بلند ہو گئیں۔
 شاید بچ فریدی کا داماغ پھر گیا تھا۔ خطرات میں گھرے ہونے کے باوجود بھی وہ بار بار پلت
 پڑتا تھا۔ دو فائر پھر ہوئے لیکن حملہ آوروں کی طرف سے اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ وہ سب بے
 تکاشہ زمین پر لیٹ گئے تھے۔
 پھر قریب ہی کے ایک درخت پر سے ان پر ثارچ کی روشنی پڑی اور ساتھ ہی دو فائر پھر
 ہوئے۔ دو چینیں... اور پھر فریدی درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا دیر تک ان کے بھاگتے ہوئے
 قدموں کی آوازیں سننا ہا۔

طلگی

دوسری صبح حمید کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ کوئی کے دو کمرے بلے کے ڈھیر میں
 تبدیل ہو گئے تھے۔ قاسم ہسپتال میں تھا۔ اسے چوت تو نہیں آئی تھی لیکن دھماکے نے اس کے
 اعصاب پر نہ اثر ڈالا تھا۔ رات ہی کواس کے گھکے کے چند ذمہ دار آفیسر پہنچ گئے تھے اور انہوں
 نے اپنے سوالات سے ناک میں دم کر دیا تھا۔ لیکن حمید نے انہیں اصل واقع کی ہوا بھی نہ لگئے
 دی۔ اس نے ان سے یہی کہا کہ وہ اس دھماکے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔ قاسم کے بارے
 میں بتایا کہ وہ کوئی میں تہبا تھا اور قاسم کو تاکید کردی تھی کہ وہ اپنی زبان بند ہی رکھے۔

نوك حمید کے پیچے ہی دوڑتے چلے گئے تھے اور اب پھر انہیں اچھا گیا تھا۔
 کمرے کے بنائیں میں قاسم کو نائم بم کی ”نیک ملک“ صاف سنائی دے رہی تھی۔ ہو سکتا
 کہ یہ محض داہمہ ہی رہا ہو کیونکہ بم اس سے پانچ یا پچھے گزر کے فاصلے پر تھا۔
 ”ارے... بیا پرے۔“ قاسم اچانک اچھل کر بھاگا سب سے پہلے دیوار سے ٹکرایا۔
 دروازے سے نکل کر دوسرے کمرے میں اونچے منہ فرش پر جا گرا۔
 ”حید بھائی۔“ وہ اپنی پوری قوت سے چینا اور پھر اٹھ کر ٹوٹتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ کسی مر
 تک وہ مختلف کروں میں پچراتا پھر ایکن اسے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملا۔ ایک تو بد حواک
 اس پر نرمی طرح مسلط تھی.... اور پھر انہیں اور پھر انہیں.....
 پھرہن جانے کیوں اسے چپ سی لگ گئی وہ اب حمید کو آوازیں بھی نہیں دے رہا تھا۔ اک
 حالت ایک اندھے گونگے اور بھرے آدمی کی حالت سے مشابہ تھی۔ ذہن میں صرف ایک ذ
 تھا کہ کسی طرح وہ جلد سے جلد باہر نکل جائے اور وہ باہر کیوں جانا چاہتا تھا؟ اس کا کوئی سوال
 نہیں تھا۔ اسے یاد ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ باہر کیوں نکلا چاہتا ہے۔
 دفعتاً ایک انتاز درست دھماکہ ہوا کہ قاسم کی آنکھوں کے سامنے زمین و آسمان کے چچ
 چیزوں سے اڑنے لگے وہ لمبا کردھم سے فرش پر گرا۔
 حمید اور سارے نوکر باہر لان پر اونچے پڑے تھے۔
 آخر تھوڑی دیر بعد ان کے حواس درست ہوئے۔ قرب دجوار کی کوئی ٹھیوں سے لوگ
 کر فریدی کی کوئی کی طرف آرہے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہاں خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

✿

فریدی کسی دھشی درندے کی طرح ان لوگوں سے لٹر رہا تھا۔ پہلے دو ہی تین تھے مگر اس
 کی تعداد دس تک پہنچ گئی تھی۔
 ایک بار پھر وہ جھکائی دے کر ان کے زخم سے نکل گیا۔ ابھی اس کے دوسرے ہولٹہ
 ایک بھر اہوار یا الور باتی تھا۔ ایک تو اس نے اس جدوجہد کے دوران ہی میں کھو دیا تھا۔ ان
 الگ ہوتے ہی اس نے پے در پے دو فائر کے اور پھر وہ اندھیرے میں دوڑتا چلا گیا۔
 حملہ آور ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے۔

www.allurdu.com

اس حال کو پہنچ جانے کے بعد قاسم میں اتنی ہمت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ حمید سے بحث کرتا۔ اس نے چپ چاپ اس کے کہنے پر عمل کیا۔ ذی المیں پیش نے اس پر سوالات کی بوچھاڑی کیں اس کے علاوہ اور کچھ نہ معلوم کر سکا کہ قاسم سورہ تھا۔ اچانک اس کی آنکھ کھلی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ پھر اس کے بعد کے واقعات اس کی یادداشت سے ٹھو ہو گئے۔ بیان حمید کا تھا اور زبان قاسم کی۔

یہ سب کچھ ہوا مگر فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کو سب سے زیادہ تشویش اسی کے متعلق تھی اسے یقین تھا کہ اسے بھی کوئی نہ کوئی حادث ضرر پیش آیا ہو گا کیونکہ مجرم اس کی اسکیم سے واقف ہو گئے تھے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ لڑکی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے فریدی کی کوئی نہیں تھک کس طرح پہنچتے۔ حمید کو یقین تھا کہ پچھلی رات کی نے بھی اس کی کارکاتعاقب نہیں کیا تھا۔ پھر ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا تھا کہ مجرم پوری اسکیم سے قبل از وقت ہی واقف ہو گئے تھے۔

فریدی کے لئے وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ مگر وہ اسے ڈھونڈتا بھی کہاں اس نے اپنی پوری اسکیم سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس کا کام اس لڑکی کے اخواہ کے بعد ہی سے ختم ہو گیا تھا اور اسے اس وقت تک لڑکی کو کوئی ہی میں روکے رکھنا تھا جب تک کہ فریدی واپس نہ آ جاتا۔ اس کے بعد کیا پروگرام تھا۔ یہ فریدی کو معلوم تھایا گند اکو!

حمدید دن بھر ادھر ادھر بھکلتا رہا۔ لیکن فریدی کہیں نہ ملا۔ ایک بار اس نے "سیلس کلب" پر بھی چھپا پار۔ سیلس کلب کا الک نے اسرار طور پر کہیں غائب ہو گیا تھا۔ ملاز میں موجود تھے لیکن وہ اس کے متعلق کوئی ایسی بات نہ بتا سکے جس سے اس کی روپوشنی کی وجہ ظاہر ہو سکتی۔ پھر حمید نے اس لڑکی کے متعلق استفسار کیا۔ لیکن جواب میں وہی سب کچھ معلوم ہو سکا جس کا علم حمید کو پہلے ہی تھا۔ لیکن ملاز میں لڑکی کی شخصیت پر روشنی نہ ڈال سکے اور وہ ان دونوں آدمیوں سے بھی واقف نہیں تھے جو لڑکی کی گمراہی کرتے تھے۔ لڑکی ہی کی طرح وہ دونوں بھی ان کے لئے نہ اسرار مار تھے۔

حمدید کے ساتھ ان پلے جگد لیش اور چند کا نشیبل تھے۔ انہوں نے پوری عمارت کی ٹلاشی لی۔ حمید نے اس کرے کو خاص طور سے دیکھا جس میں لڑکی اور اس کے دونوں نگران مقیم تھے۔ ایک

ایک چیز اٹ پلٹ ڈالیں لیکن کوئی ایسا سراغ نہ ملا جس سے بھر موں کی شخصیت پر روشنی پڑتی۔

آخر تھک بار کروہ ہپتال کی طرف واپس آگیا۔ قاسم ابھی ہپتال ہی میں تھا۔

حمدید کو دیکھ کر اس نے نہ اسامنہ بٹایا۔

"جب تک یہاں پڑا رہوں گا۔" اس نے کہا کہا۔

"کیا تم یہاں سے چلانا چاہتے ہو؟"

"اور نہیں تو کیا یہاں زندگی بسر کرنے آیا ہوں۔ سالیاں مجھے دیکھ دیکھ کر فہمی ہیں۔"

"کون...؟"

"یہی نہیں! سالیاں....!"

"تب تو پھر تمہارے مرنے ہی مرنے ہیں۔" حمید کے ہونوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

شاہید وہ آج صح سے اس وقت تک پہلی بار مسکرا ہوا تھا۔

"میاں بس ختم کرو۔ خدا گارت کرے ان عورتوں کو۔ ان کی بدولت!"

"اچھا تم ٹھہرو۔۔۔ میں تمہیں لے چلنے کا انتظام کرتا ہوں۔" حمید نے کہا اور ڈاکٹر کے

کمرے کی طرف چلا گیا۔

خوٹڑی دیر بعد وہ دونوں ہپتال سے گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔ قاسم اچھا خاصا تھا اور اب

دھماکے کے اثرات اس کے اعصاب پر سے زائل ہو گئے لیکن وہ خائف اب بھی تھا۔

راتستے میں زیادہ تر خاموشی رہی۔ صرف ایک بار قاسم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا تھا۔

"حمدید بھائی! میری سمجھے میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"کیوں... کس لئے؟"

"میں تمہاری باتوں میں آکر بھی مصیبت میں پڑتا ہوں اور نہ آؤں تب بھی میرے لئے

کوئی نہ کوئی دبال کھرا ہو جاتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تمہارا کہنا مانے پر مجھے گھر چھوڑنا پڑا۔ اور جب پچھلی رات میں نے طے کر لیا تھا کہ تمہاری

گئی بات میں بھی نہ آؤں گا تو مجھے چوہوں کی سی موت نصیب ہوتے ہو تے رہ گئی۔"

حمدید بے اختیار مسکرا پڑا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ اس کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

"تمہارا کہنا مانے پر مجھے گھر چھوڑنا پڑا۔ اور جب پچھلی رات میں نے طے کر لیا تھا کہ تمہاری

گئی بات میں بھی نہ آؤں گا تو مجھے چوہوں کی سی موت نصیب ہوتے ہو تے رہ گئی۔"

حمدید بے اختیار مسکرا پڑا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ اس کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

”میری کار باہر موجود ہے۔“ حمید نے سرد لبھ میں کہا۔
 ”اوہ.... اچھا....!“ اس نے کہا اور پھر سلزگرل کی طرف دیکھ کر ندامت آمیز لبھ میں
 بولی۔ ”آپ کا بہت بہت شکریہ مجھے ذرا ایک کام یاد آگیا ہے میں جلد ہی واپس آ جاؤں گی۔“
 اس نے بیک اٹھایا اور دروازے کی طرف مڑ گئی۔

حید اس کے آگے چل رہا تھا۔
 حمید نے کچھل نشست کا دروازہ کھولا اور وہ دونوں اندر بیٹھ گئے۔ قاسم منہ پھاڑے انہیں
 دیکھ رہا تھا۔

”چلو... ڈرائیور کرو...!“ حمید نے قاسم سے کہا۔
 ”پھر لے چلو گے انہیں؟“ قاسم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
 ”ہاں.... اور اس بار میں شرافت سے پیش نہیں آؤں گا۔“ حمید نے کہا۔
 لڑکی کچھ نہ بولی۔ اب اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار نہیں تھے۔ حمید نے پھر اس کے
 انداز میں کچھلی رات کی سی بے فکری اور لاپرواٹی محسوس کی۔
 ”وہ لوگ کہاں گئے؟“ حمید نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔“
 ”لیکن اس وقت تمہارے حافظ کہاں ہیں؟“
 ”میں نہیں جانتی۔ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ میرا خیال ہے کہ اب میں اس شہر کی سڑکوں پر
 پاگلوں کی طرح چینچت پھراؤں گی۔“
 حمید اسے گھوننے لگا۔

لڑکی پھر بولی۔ ”ایسے بد معاشوں سے آج تک میرا سبقہ نہیں پڑا تھا۔“
 ”کیسے بد معاشر؟“
 ”تم جیسے....!“ لڑکی بولی۔ ”انتے دیدہ دلیر کہ علاویہ خود کو محلہ سراغِ رسانی کا کوئی آفسر
 ظاہر کریں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں بر اور است کو تو اسی پہنچایا جائے۔“ حمید بھنا کر بولا۔
 لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ”اگر تم لوگ اس کا مقصد بتا دو تو میں پاگل

کیدی شہر کی ایک پر رونق شاہراہ سے گزر رہی تھی۔
 اچانک حمید چوک پڑا۔ اقا تا اس کی نظر ملبوسات کی ایک دوکان کی طرف اٹھ گئی تھی۔
 اسے وہاں جو کچھ بھی نظر آیا وہ اسے چونکا دینے کے لئے کافی تھا۔
 اس نے کیدی فٹ پا تھے سے لگا کر روک دی۔

”کہاں چلے....؟“ قاسم بولا۔
 ”وہی لڑکی.... رات والی....!“
 قاسم نے اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔
 ”یہ کیا حرکت....؟“ حمید جلا کر پلتا۔

”جانے دو حمید بھائی! خدا کے لئے جانے دو۔“ قاسم بھرا ہوئی آواز میں بولا۔ ”اب میں
 اپنے قریب کوئی لڑکی نہیں دیکھنا چاہتا۔“
 ”الگ ہٹو....!“ حمید اسے دھکا دے کر باہر نکل گیا۔
 قاسم ٹھھال ہو کر سیٹ پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ کچھ بڑھا بھی رہا تھا۔ حمید اس کی طرف دھیلار
 دیئے بغیر ملبوسات کی دوکان میں گھس گیا۔

لڑکی سلزگرل کی طرف متوجہ تھی اور اس کے پیروں کے قریب چڑے کا ایک سفری یہک
 رکھا ہوا تھا۔ حمید اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں کے درمیان فاصلہ اتنا کم رہ گیا تھا کہ کا
 گرل چونکے بغیر نہ رہ سکی اور وہ لڑکی اس سے گفتگو کرنے میں اتنی محظی کہ اسے حمید ا
 موجودگی کی خبر نہ ہو سکی۔ لیکن پھر سلزگرل کے چہرے پر استغجب کے آثار دیکھ کر مڑی۔
 ”اوہ....!“ اس کے منہ سے بیسانٹہ نکلا۔

حمید نہ تو اپنی جگہ سے ہٹا اور نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہوئی اس کے ہونٹ بچپنے ہو۔
 تھے اور وہ بر اور است لڑکی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”آپ کیا چاہتے ہیں؟“ اس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔
 حمید نے جواب میں جیب سے اپنالا تاپی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔
 وہ چند لمحے اسے آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہی پھر خلک ہوتوں پر زبان پھیر کر بولی۔ ”میں
 نہیں سمجھتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”نہیں.... لیکن دو کمرے ڈھیر ہو گئے ہیں۔“

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید نے قاسم سے کہا۔ ”گھر کی طرف چلو۔“
”ہائیں.... کو تو ای تو چل رہے تھے۔“ قاسم نے کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر گلوگیر آواز
میں بولا۔ ”حید بھائی کو تو ای ہی چلو۔“

”میں جو کہہ رہا ہوں کرو.... ورنہ پھر کسی مصیبت میں پڑو گے۔“

”اچھا بھائی....!“ قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

کیڈی چلتی رہی۔

کچھ دیر بعد حمید پھر اس لڑکی سے مخاطب ہوا۔ ”مگر گلو خلاصی کا موقع ہاتھ آنے کے بعد
بھی تم اسی شہر میں کیوں موجود رہیں کیا تمہیں دوبارہ پکڑنے جانے کا خوف نہیں ہے؟“
”اگر آپ میرے چند سوالات کا تقشی بخش جواب دے دیں تو میں ہر قسم کی گنتگو کے لئے
تیار ہوں۔“

حمداد سے تیز نظروں سے دیکھ کر زہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لڑکی ابھی کچھ اور بھی کہنا
چاہتی ہو۔

”قبل اس کے کہ تم کوئی بات بناو۔ میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ پولیس کی نظروں
میں تمہاری پوزیشن صاف نہیں ہے۔“

”کچھ بھی ہو لیکن میں ان سوالات کا جواب ہر حال میں چاہوں گی۔ رہی پولیس کی بات....
تو مجھے آج تک دنیا کی کسی چیز سے خوف نہیں محسوس ہوا۔“ لڑکی بولی۔

”ہوں....!“ حمید سے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”کیا پوچھنا چاہتی ہو؟“

”پہلی بات تو یہ کہ مجھے اس طرح انگو کرنے کا کیا مطلب تھا؟“

”تمہارے ذریعہ ہم چند خطرناک مجرموں تک پہنچنا چاہتے تھے۔“

”کیا پولیس بھی اس قسم کے طریقے اختیار کر سکتی ہے؟“

”تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔“

”مگر میں سمجھنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ ان مجرموں کو برداشت کرنے کی راست نہیں پکڑ سکتے تھے؟“

”تمہیں ان معاملات سے کوئی سرداڑا نہ ہونا چاہئے۔“

ہونے سے بچ جاؤ۔“

”میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم یک یہاں کیسے ہو گئیں؟“

”میں خود بھی نہیں جانتی.... آج صبح جب میں باہر نکلی تو میرے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔
بس اس کے علاوہ مجھے اور کسی بات کا علم نہیں۔“

”سیلس کلب کا مالک اس وقت موجود تھا؟“

”نہیں! میں سنے معمولی ملازمین کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا۔“

”وہ لوگ کون تھے جو تمہیں پچھلی رات ہمارے پاس سے لے گئے تھے؟“

”میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتی۔“

”پہلے کبھی نہیں دیکھا....?“

”نہیں....!“

حمدید چند لمحے خاموشی سے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”تم پچھلی رات کسی بڑے موچھوں
والے کا تذکرہ کر رہی تھیں۔ کیا وہ کوئی چینی ہے؟“

”نہیں! وہ چینی تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔“ لڑکی بولی۔ ”پہنچیوں کے چہرے کی ساخت ہی الگ
ہوتی ہے۔“

”کیا ان میں کبھی تمہیں کوئی چینی بھی نظر آیا ہے؟“

”کبھی نہیں.... مجھے یقین ہے کہ.... میں نے کسی چینی کو ان میں نہیں دیکھا۔“

”سیلس کلب میں....?“

”وہ تو دوسری بات ہے.... وہاں سینکڑوں گاہک آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان میں ہر نسل اور
قوم کے آدمی ہوتے ہیں۔“

”اچھا.... یہ تو بتاؤ.... کیا یہ ضروری ہے کہ میں تمہارے بیانات پر یقین ہی کر لوں۔“

”قطعی نہیں.... مجھے یقین ہے کہ آپ یقین نہ کریں گے۔“

”جانتی ہو.... پچھلی رات تمہارے ساتھی ہمارے یہاں ایک نائم بم چھوڑ گئے تھے جو بعد کو
پھٹ گیا۔“

”ارے....!“ لڑکی اچھل پڑی۔ پھر اس نے خوفزدہ سی آواز میں پوچھا۔ ”کوئی مر اتو نہیں۔“

رہ۔ اس کی نظر لڑکی کے چہرے پر تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”تم پیاس آنے سے قبل کہاں تھیں؟“
قبل اس کے نزدیک لڑکی کوئی جواب دیتی حمیداً چھل کر کھڑا گیا۔ اتنی دیر میں پہلی بار اس نے فریدی کی آواز سنی تھی۔

”لیا بات ہے؟“ فریدی اسے گھوڑتا ہوا بولا۔

”کچھ نہیں۔“ حمید فوراً منسلسل گیا۔ ”ذرائعے ایک صاحبہ کو فون کرتا ہے۔“

پھر وہ ان تینوں کو برآمدے میں چوڑ کر اپے کرے میں آگیا۔ اس کے چہرے پر اندر ورنی بیجان کے آثار تھے۔ اس نے میز کی دراز کھول کر اپناریو اور نکالا اور اسے جیب میں ڈال کر پھر واپس جانے کے لئے مڑھ رہا تھا کہ فون کی تھنٹی بھی۔

حمدید نے نہ اسامنہ بنا کر ریسیور اٹھایا۔

”پیلو...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کیا حمید ہو؟“

حمدید کے ذہن کو جھٹکا سا گا اور اس کا پورا جسم کانپ کر رہا گیا۔ کیونکہ یہ سو فیصدی فریدی کی آواز تھی۔

”پیلو کون ہے؟“ دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔

”میں حمید ہوں۔“

”اوہ... کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ حمید نے ہلکے سے قیقہے کی آواز سنی۔

”آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟“

”اس کی فکر نہ کرو... تم لوگوں پر جو کچھ گذری... مجھے معلوم ہے۔“

”مگر برآمدے میں ایک دوسرافریدی موجود ہے لیکن بیچارے کو اپنی آواز پر قابو نہیں۔ لہذا میں اس کی آواز صاف کرنے جا رہا ہوں۔“

”نہیں... میں نے تمہیں اسی لئے فون کیا تھا کہ کہیں تم کوئی گز بڑھنے کرو۔ وہ انور ہے۔“

”اچھا...!“ حمید ایک لمبی سانس لے کر رہا گیا۔ پھر اس نے مختصر الفاظ میں لڑکی کے متعلق اسے سب کچھ تادیا۔

”اچھا دیکھو... اس لڑکی کو اپنے ساتھ ہی رکھو۔ یہ کم بخت جو چال میرے ساتھ چل چکے

”ہونا چاہتے۔“ لڑکی بخت لجھ میں بولی۔ ”کیونکہ میرا وجود بھی ان گور کھو دھندوں میں الجھا ہوا ہے۔“

”کن گور کھو دھندوں میں....؟“

”دیکھئے! میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ اصل حالات کی مجھے خبر نہیں!“

”لیکن تم سمجھنا ہی کیوں چاہتی ہو۔ جب کہ تمہیں ابھی تک ان کی ذات سے کوئی نقصان نہیں پہنچا اور پھر اب تم آزاد بھی ہو۔“

”آزاد...!“ لڑکی نے ملخ لجھ میں کہا اور سر ہلا کر رہا گئی۔

”کیوں... کیا تمہیں اس میں بھی شبہ ہے؟“

”ہاں! وجہات ہیں... یہ بیگ۔“ اس نے اپنے سفری بیگ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”یہ کل رات تک میرے پاس نہیں تھا۔ آج صبح جب میں سوکراٹی تو یہ مجھے اپنے سرہانے ملا۔ اس میں ایک کشیر رقم موجود ہے اور میرے نام ایک تحریر بھی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اب میں آزاد ہوں اور جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔ خیر یہ سب تو کچھ بھی نہیں۔ ان میں سب سے زیادہ حریت انگریز چیز میرا اپنالا پاسپورٹ ہے جو نیوارک کے لئے حاصل کیا گیا ہے لیکن میرے فرشتوں کو بھی اس کے مقصد کا علم نہیں۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نیوارک جانے کی خواہش نہیں کی۔ پھر نہ صرف پاسپورٹ بلکہ ویزا بھی موجود ہے۔ کرنی میں کچھ رقم امر لیکن سکون کی ٹھیک میں بھی ہے... ذرا مجھے ان سب کا مقصد سمجھائیے۔“

لڑکی نے بیگ کھول کر حمید کے سامنے رکھ دیا۔

کیڈی کو ٹھی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ حمید کو پھاٹک پر ایک آدمی دکھائی دیا جس کا چہرہ پیسوں سے ڈھکا ہوا تھا صرف آنکھیں ناک اور دہانہ نظر آرہا تھا۔ حمید کے چہرے پر چھائی ہوئی مردی نیکخت غائب ہو گئی۔ کیونکہ وہ آدمی فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

قاتلہ کے روپ میں

ٹھوڑی دیر بعد وہ سب برآمدے میں بیٹھے ایک دوسرے کو حریت سے دیکھ رہے تھے۔

حمدید اپنی داستان سنا چکا تھا اور اب اسے تو قع تھی کہ فریدی بھی کچھ کہے گا لیکن وہ خاموش ہی

پروگرام بنارہے ہوں۔
لوکی بڑی طرح بھر گئی تھی۔ اس نے جیچ کر کہا۔ ”مجھے جانے دو۔“
”یہاں سے جانے کی صورت میں تم حوالات میں ہو گی۔“ حمید بولا۔
”مجھے اس کی پرواہ نہیں... وہاں کم از کم میرے لئے الجھیں تو نہ ہوں گی۔“
”اب جھیں تو نہ ہوں گی لیکن وہاں مجھے جیسے شریف آدمیوں سے ملاقات نا ممکن ہے۔“ حمید
نے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔ میں تم پر حیرت انگیز اکٹھاف کروں گا۔“
لوکی کے چہرے پر جھلائیت کے ساتھ ہی ندامت کے آثار بھی الگ آئے۔
پھر وہ پہنچنے لگی لیکن اس بُھی میں رو دینے کا سائز اضافہ شامل تھا۔
”چلو چلو! ابھت سی باتیں ہیں۔“ حمید اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ قاسم بڑی بے چھٹی سے
پہلو بدلتے لگا تھا، دو تین بار کھکھرا بھی لیکن جب حمید کے ہاتھ پڑنے پر وہ کھڑی ہی ہو گئی تو
اس نے بڑی بے بی سے انور کی طرف دیکھ کر سر جھکایا وہ اسے فریدی ہی سمجھ رہا تھا اور اسے
توقع تھی کہ وہ حمید کو اس حرکت سے باز رکھے گا۔
اور پھر جیسے ہی حمید لوکی کو اندر لے جانے کے لئے مژا قاسم پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ لڑکی
بادل خواستہ حمید کے ساتھ چل رہی تھی۔
آخر وہ ایک جگہ رک گئی۔
”کیا کہنا چاہتے ہیں آپ....؟“
”چلی آؤ.... میں تمہیں اس نامم بم کی تباہ کاریاں دکھاؤں گا۔“
”مجھے یقین ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہو گا۔ وہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ انہوں نے مجھے حاصل
کرنے کے سلسلے میں دو تین خون کئے تھے۔“
وہ پھر حمید کے ساتھ چلنے لگی تھی۔ حمید نے اسے وہ دونوں کمرے دکھائے جواب اینٹوں اور
پلاسٹر کاڈھیر تھا۔
لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر اس نے پوچھا۔ ”اں صاحب کے چہرے پر بیٹاں کیسی
بندھی ہوئی ہیں؟“
”چوٹیں ہیں....!“

ہیں وہی اب ان کے منہ پر ماروں گا۔ فلکرنہ کرو۔ انور کے پاس پورا پروگرام ہے۔ تمہارے اوہ
قاسم کے پاسپورٹ بھی اسی کے پاس ہیں۔ اگر قاسم نے اپنا خیال بدل دیا تو اسے مجبور کرنے کی
ضرورت نہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ انور سے الجھیں کی کوشش مت کرنا.....“
”گویا مجھے اس کے اکام کی قیلی کرنی پڑے گی۔“ حمید بگڑ کر بولا۔
”نہیں پیدا رہے.... وقی ضرورت.... اچھا بس۔ فرمات کرو۔ میں لڑکی کے مسلکے پر غور
کرنے کے بعد پھر فون کروں گا۔ اسے فی الحال روکے رہو۔“
”اچھا جاتا....!“ حمید نے مخفی سائنس لی۔ ”حالانکہ اب قاسم جیسے دیو کا یہ عالم ہے کہ
لڑکیوں کی شکل ہی دیکھ کر پیسہ چھوڑ دیتا ہے۔“
فریدی نے ایکہ ہلکے سے قیچیہ کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا۔
حمدید بڑے اطمینان سے ٹھہٹا ہوا برآمدے میں واپس آگیا۔ یہاں لڑکی فریدی کے ہم شکل
سے الجھی ہوئی تھی۔
”تم ربنا چنا جانتی ہو....؟“ حمید نے لڑکی سے پوچھا۔
وہ بڑی سرگرمی سے انور سے بحث کر رہی تھی۔ اس بے شکے سوال پر جھلک گئی۔
”میں اب صرف موت کا ناج ناچوں گی۔“
”بہت اچھا....!“ حمید مسکرا کر قاسم کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”اس ناج کے لئے اس
سے بہتر ہم رقص تمہیں کہیں نہ ملے گا۔“
اس نے ایک بار قاسم پر قہر آلود نظر ڈالی اور پھر انور سے مخاطب ہو گئی۔ ”ہاں.... میری
بات کا جواب دیجئے۔“
”تمہاری بات کا جواب یہ ہے کہ ابھی ہم لوگ تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔“ انور بولا۔
”مجھے جھوٹکے جہنم میں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ آخر وہ لوگ مجھے سے کیا پاہتے ہیں؟“
”نہ میں تمہیں جہنم میں جھوٹک سکتا ہوں۔“ حمید بولا۔ ”اور.... نہ....!“
انور نے حمید کو گھور کر دیکھا اور حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ انور ہر معاملے میں
فریدی کی نقل اتنا نے کی کوشش کر رہا ہے۔
قاسم خاموش بیٹھا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب اس کو ذمہ کرنے کا

تھارنے ساتھ ہو گی۔

”کیا....؟“ حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

”جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو.... سمجھے۔“

”سمجھ گیا۔ لیکن اگر وہ چلنے پر رضا مند نہ ہوتی تو....“ حمید نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے فرانشیز بان میں کہا۔

”کیا وہ اس وقت تھارے قریب ہی موجود ہے؟“

”جی ہاں....!“

”اچھا.... اگر وہ تیار نہ ہو تو اس سے اتنا ضرور کہہ دینا کہ راجن کو ختم کرنے کے لئے نہیں سکھیا استعمال کی گئی تھی۔“

”ذرا اوضاحت کیجئے.... میں نہیں سمجھا۔“ حمید نے کہا۔

لیکن دوسرا طرف سے سلسہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید ریسیور رکھ کر لڑکی کی طرف مڑا۔ جو اب ایک آرام کری میں پڑی ہوئی حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”ہاں.... آپ مجھ سے کہنا کیا چاہتے تھے؟“

”صرف اتنی سی بات کہ ایک بارہ صوکا کھاجانے کے باوجود بھی تم پر اعتدال کر لینے کو دل چاہتا ہے۔“

”میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ مجھے مطلق علم نہیں کہ میرے جانے کے بعد کیا ہوا۔“

”اور نہ بھی جانتی ہو کہ اب کیا ہو گا۔“

”میں ظہی نہیں جانتی اور آپ کو آگاہ کر دینا چاہتی ہوں کہ اگر اب کچھ ہوا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہو گی۔“

”میں نہیں سمجھا....!“

”جن حالات میں میری گلو خلاصی ہوئی ہے کیا وہ قابلِ اطمینان ہیں؟“

”ہرگز نہیں....!“

”پھر ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ان لوگوں کی کوئی چال ہو۔“

”تمہیں اس کا اعتراف ہے؟“

لڑکی چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ”ہاں مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میری

”کیا.... وہ یہاں تھا تھے۔“ لڑکی نے خوفزدہ انداز میں بلے کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں.... بہر حال یہ سب کچھ تھارے ہی سلسلے میں ہوا ہے۔“

”آخر آپ لوگوں کو مجھ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟“

جواب میں حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر کچھ دیر ٹھہر کر بولا۔ ”آؤ واپس چلیں۔“

اب حمید اسے اپنے کمرے میں لایا۔ قاسم اور انور شادیاب بھی برآمدے ہی میں تھے۔

”تم پہلے کس قسم کے لوگوں میں تھیں۔“ حمید نے اس سے پوچھا۔

”میں نے پہلی رات آپ کو جو کچھ بھی بتایا تھا اس میں رتنی برا بر بھی جھوٹ نہیں۔ کچھ بھی ہو وہ لوگ اتنے خطرناک نہیں تھے وہ جوئے کے اڑے چلاتے تھے اور میرا کام یہ تھا کہ میں شہر کے دولت مند لوگوں کو ان اڑوں تک پہنچانی تھی۔ لیکن آخر یہ لوگ مجھ سے کیا کام لیتا چاہتے تھے؟ میں بچھپا گل ہو جاؤں گی۔“

”تم پھر بیکنے لگیں.... اچھا ہاڑا.... چھوڑو ان باتوں کو۔“

”میں بیکنے لگی ہوں؟“ لڑکی نے استغفاریہ انداز میں پوچھا اور پھر اس پر جھلائی طاری ہو گئی۔ حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بھی۔ اس نے ریسیور انھلے ایا۔

”نہیں....!“

”کون ہے۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ حمید نے آواز بیچان لی۔ دوسرا طرف سے بولنے والا فریدی ہی تھا۔

”حید....!“

”اچھا.... ہاں دیکھو تم نے لڑکی کے پاسپورٹ کے متعلق یہی کہا تھا کہ وہ نیویارک کیلئے ہے۔“

”جی ہاں.... اور ویزا بھی ہے۔“

”پاسپورٹ صرف امریکہ کے لئے یا میں الاقوامی ہے؟“

”صرف امریکہ کے لئے.... اور ویزا صرف نیویارک کے لئے ہے۔“

”خوب.... یہ بڑی دلچسپ بات ہے اور ہاں کل تم لوگ بھی نیویارک کیلئے روانہ ہو جاؤ گے۔“

”پہلی....؟“ حمید جھلائی۔

”بکواس مت کرو۔ انور کے پاس تم لوگوں کے میں الاقوامی پاسپورٹ موجود ہیں لیکن لڑکی

سمجھ میں بھی آتا ہے... آخر آپ مجھے الفاظ کے گور کھدھندوں میں پھانسے کی کوشش کیوں
کر رہے ہیں؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ آہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ گفتگو کبھی ختم نہ ہو۔"
حید نے بڑی لمبی سانس کھینچی تھی لیکن قبل اس کے کہ وہ کوئی دوسرا جملہ کہتا انور اور قاسم
بھی دہاں آگئے۔

"اچھا باتی آئندہ۔" حید سر ہلا کر بولا اور انور سے گھورنے لگا۔

"ذرا میری ایک بات سننے گا۔" حید نے انور سے کہا اور قاسم سے یہ کہتا ہوا کہ وہ دو دیں
ٹھہرے کمرے سے باہر نکل گیا۔ انور اس کے پیچھے تھا۔ حید اسے دوسرے کمرے میں لایا۔

"شاید آپ کا گلا بھی گھونٹا گیا تھا جبکہ رات کو....!"

"کیوں....؟" انور نے کہا۔

"آواز کچھ اسی طرح بھیک مانگ رہی ہے۔"

"کیا کوواس ہے....؟" انور جھلا گیا۔

"سنویٹا! میں حید ہوں۔ تمہیں فریدی بتانا مبارک... لیکن اگر میری شان میں ذرا برادر

بھی گستاخی سرزد ہوئی تو تمہاری ناک اکھاڑلوں گا۔"

بات بڑھ جاتی لیکن میں فون کی گھنٹی آزے آئی۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر اس کمرے
میں آئے جہاں لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ حید نے بڑھ کر رسیور اٹھایا لیکن پھر اس نے اسے انور کی
طرف بڑھادیا۔ شدید کال اسی کے لئے تھی۔

انور گفتگو کے دوران میں زیادہ تر "ہوں.... ہاں" کرتا رہا۔

وہ شام بڑی خشگوار گزری۔ کئی بار حید اور انور میں جھپڑیں بھی ہوئیں لیکن بات زیادہ
نہیں بڑھ پائی۔ قاسم پر البتہ قبرستان کا سناٹا طاری تھا۔

رات کو سارے خڑناک کے کپڑا ٹھیں آزاد چھوڑ دیے گئے۔

حید چونکہ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ اس نے آٹھ ہی بجے سے خراٹے لینے شروع
کر دیئے۔ اس کے بعد پھر قاسم بھی سو گیا۔ انور جاتا رہا۔ وہ بار بار کوٹھی کے مختلف حصوں کے
چکر کاٹتا اور پھر ڈرائیکٹ روم میں آپسھتا۔

لڑکی ایک کمرے میں تھا سوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ انور کے جاگتے رہنے کا مقصد لڑکی کی
گھرانی رہا ہو۔ کیونکہ وہ ہر چکر میں اس کے کمرے کے سامنے ضرور رکتا تھا۔ بیرونی برآمدے میں
جانے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ کیونکہ باہر انہائی خطرناک خڑناک قسم کے کتوں کا راجح تھا۔
کرسی کی پشت سے بک کر انور نے سگریٹ سلاٹ کی اور ابھی دو ہی تین کش لئے تھے کہ اسے
قریبی راہداری میں کسی کے قدموں کی آہستہ سنائی دی۔
سگریٹ کو ایش نڑے میں رکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

اس وقت کوٹھی کے کسی حصے میں بھی اندر ہمراہ نہیں تھا تھی کہ حید اور قاسم نے بھی سوئے
وقت اپنے کمروں کے بلب نہیں بجھائے تھے۔

انور کو راہداری میں وہ لڑکی نظر آئی وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھی لیکن.... اس کی آنکھیں
بند تھیں۔ شانے نیچے کی طرف ڈھلکے ہوئے تھے اور ہونزوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔ ایسی
مسکراہٹ جس کے لئے تشویہ کی تلاش بے سود! زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جا سکتا تھا کہ وہ اس وقت
ایک ایسی معلوم پچھی معلوم ہو رہی تھی جو سوتے میں مسکرا پڑی ہو۔ مگر یہ تشویہ بھی ادھوری
تھی۔ کیونکہ بچپوں کی مسکراہٹ میں جنیت کا گاؤ نہیں ہوتا۔

وہ انور کے قریب سے نکل گئی۔ راہداری روشن تھی ممکن ہے انور سے اس کا فاصلہ ایک فٹ
سے بھی کم رہا ہو۔ لیکن لڑکی کی حالت میں ذرا بر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔

پھر اچاک انور کی نظر اس خخبر پر پڑی جو لڑکی کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے
آگے بڑھا۔ لیکن پھر رک گیا۔ کیونکہ لڑکی بھی حید کے کمرے کے دروازے پر رک گئی تھی۔
اس نے پہنڈل گھما کر دروازہ کھولا اور کمرے میں چل گئی انور بھی بجلی کی سی تیزی سے ساتھ کمرے
میں داخل ہو گیا۔

حید چلت پڑا سورہا تھا۔ لڑکی ٹھیک اس کے پلٹک کے پاس رک گئی۔ پھر اس کا خخبر والا ہاتھ
بلند ہوا لیکن وہ دوسرے ہی لمحے میں انور کی گرفت میں تھا۔

لڑکی کراہ کر پڑی اور پھر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ سرخ سرخ ذرا اوپنی آنکھیں.... خخبر
فرش پر گر گیا۔ حید مردوں سے شرط باندھ کر سویا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا گمراہے خبر نکلنے ہوئی۔
اچاک لڑکی کے منہ سے ایک خوفزدہ سی چیز لکھی اور وہ کچھی پھٹی آنکھوں سے فرش پر پڑے۔

ہوئے خبر کو دیکھنے لگی۔
”نہیں.... نہیں۔“
وہ سکیاں لیں گی۔

”وہ.... وہ.... دونوں تصویریں.... تھیں.... میں اب.... ہوش میں.... ہوں.... بالکل.... ہوش میں ہوں.... وہ تصویریں تھیں.... خبر بھی بیک میں تھا۔“

دوسری لڑکی

جیسے ہی ہوائی جہاز کے پہلوں نے زمین چھوڑی۔ قاسم کے مغل سے بیک وقت کنی قسم کو آوازیں نکل کر رہے گئیں۔ یہ اس کا پہلا ہوائی سفر تھا اور ایر ہوش جو ایک کافی خوبصورت لڑکہ تھی اسے شروع ہی سے سیالیاں دیتی رہی تھی لیکن جیسے ہی ہوائی جہاز اور اپنا ٹائم کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی کھوپڑی یقینی رہ گئی ہو۔ ہوش قریب سے گذر رہی تھی۔ حمید نے قاسم کو طرف اشارہ کر کے اس سے کہا
”بھائی کو کچھ چاہئے۔“

”کیا چاہئے آپ کو....؟“ ہوش نے قاسم کی طرف جمک کر پوچھا۔
”پپ.... پپ.... بیراشوت۔“ قاسم مغل پھاڑ کر چھا۔

نہ صرف ہوش بلکہ آس پاس کے دوسرے لوگ بھی ہنسنے لگے۔ حمید نے قاسم کے شان پر تھکی دی اور وہ اس طرح اچھل پا جیسے اس کی پیچھے پر سانپ چڑھ گیا ہو۔ قاسم اور انور حمید کے آگے والی سیوں پر تھے اور وہ نہ اسرار لڑکی حمید کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ انور اب بھی فریدی تو کی شعل میں تھا۔ لیکن اب کے چہرے پر بیان نہیں تھیں۔ البتہ وہاں وہاں کچھ ایسے نشانات ضرور نظر آرہے تھے جیسے خون جم کر کر فرش پر گئی ہو، سر پر ابھی تک پٹی تھی۔ لڑکی نے اپنی نیویارڈ کو روائی کے مغل سے ضرور سنا تھا لیکن اس نے اس سے انکار نہیں کیا تھا۔ لہذا حمید کو جملہ بھی نہیں دہرانا پڑا تھا جو انکار کی صورت میں فریدی کے کہنے کے مطابق دہرانا تھا یہ سب کچھ تو تھا ہی لیکن بچھلی رات کا واقعہ نوعیت کے اعتبار سے ایسا نہیں تھا کہ اسے نظر انداز کیا جاسکتا۔ انور نے جو شاید فریدی کے ٹھکانے سے واقعہ تھا اسے اس وقت فون پر اس واقعہ کی اطلاع دے

دی تھی۔ اس پر فریدی نے جو رویہ اختیار کیا تھا اسے اس واقعے سے بھی زیادہ تعجب خیز کہنا چاہئے۔ اس نے اس واقعے کو کوئی اہمیت نہ دی اور انہیں تاکید کر دی کہ لڑکی سے اس کے متعلق کلمی کچھ نہ پوچھا جائے۔ دوسرے دن ان کے ساتھ لڑکی کی روائی ضروری ہے۔

حید بڑی الجھن میں تھا۔ نہ اس مغل سے پر حیرت تھی اور نہ فریدی کے رویے پر۔ تعجب تو اسے اس خبر پر تھا جس سے مغل کا راہدار کیا گیا تھا۔ اس خبر سے آدمی تو بہت بڑی چیز ہے ایک نھا سا پر نہ بھی نہیں ہلاک کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ چکدار نہیں کا ایک ٹوائے ٹریگر (خبر نہا کھلونا) تھا لیکن لڑکی اس طرح بد حواس ہو گئی تھی مجسے وہ حق حق اقدام قتل کے سلسلے میں پکڑی گئی ہو اور پھر اس کے وہ بے ربط مغلے.... حمید رات ہی سے کھول رہا تھا لیکن فریدی نے کہہ دیا تھا کہ اس سے کسی قسم کی باز پرس کی ہی نہ جائے اور شاید لڑکی بھی ان کے اس رویے پر حیران تھی اور اس پر سے یہ حیرت انگیز سفر وہ اس وقت گم سم بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ آنکھیں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں جیسے وہ اندر ہیرے میں کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

ہوائی جہاز بلندی پر پہنچ کر سیدھا ہو گیا۔
قاسم کے منہ سے پھر ایک بے ہنگامہ کی آواز نکلی۔

”کیا میں کچھ گفتگو کر سکتی ہوں۔“ لڑکی نے حمید سے پوچھا۔
”ضرور.... یقیناً....!“

”نیویارڈ پہنچنے کے بعد میرا کیا حشر ہو گا؟“

”حشر... میں نہیں سمجھا.... بھی میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“
لڑکی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے غاری نظر آرہا تھا۔

”ہم وہاں بہترین قسم کی جگہوں پر اعلیٰ قسم کی تفریق میں حصہ لیں گے۔“ حمید بولا۔

”ہو سکتا ہے کہ میں وہاں پہنچنے سے قبل ہی پاگل ہو جاؤں۔“

”تم ویسے ہی مجھے پاگل معلوم ہوتی ہو۔“

”میں رات والے واقعے کے متلئن گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“

”اوہ....!“ حمید نے قہقهہ لگایا۔ ”ہم اس مقام سے کافی محفوظ ہوئے تھے۔“

”کاپس...!“

”کیا مطلب...؟“

”قاسِم کو کاپس کہتا تھا۔“

”نہیں جھوٹ۔“ لڑکی نہ کر بولی۔ پھر اس نے بڑی سنجیدگی سے دوبارہ قاسِم کا جائزہ لیا۔

”میں سب سن رہا ہوں۔“ قاسِم مرے بغیر غریباً۔

”بالکل آہستہ بولو جب بھی سن لیتا ہے۔“ حیدر اس کی طرف دھیان دیئے بغیر لڑکی سے بولا۔
لڑکی ہنسنے لگی۔

”اب اگر اسے پچھلے واقعات یاد دلاو۔ تو تُر امان جاتا ہے۔“

”یکوں خواہ مخواہ پر بیشان کر رہے ہیں آپ، نہیں؟“ لڑکی بولی۔

”نہیں! نہیں کرنے دو پر بیشان۔“ قاسِم پلٹ کر بولا۔ ”میں بھی سمجھ لوں گا کبھی۔“

”دیکھو.... اب کتنی صاف اردو بولتا ہے۔“ حیدر نے قاسِم کی طرف دیکھے بغیر لڑکی سے کہا۔

قاسِم اپنا نچلا ہونٹ داتوں میں دبا کر پھر سیدھا ہو گیا۔

”تم سونو ہی مت....!“ انور نے قاسِم سے کہا۔ ”سمجھ لو کتا بھوک رہا ہے۔“

”شکر ہے کہ ہماری سیٹ محفوظ ہے۔“ حیدر لڑکی سے بولا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہنے لگا۔ ”دیکھو کہنے کا مقصد یہ تھا کہ دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں۔ کل کا بن ماں آج ہوائی چہار میں سفر کر رہا ہے۔ حریت اگنیز بات ہے اسی طرح تم بلا مقصد امریکہ کا سفر کر رہی ہو اس لئے تمہیں بھی اس پر نہ توجہت ہوئی چاہئے اور نہ پر بیشانی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آج تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کس قسم کے جانوروں کی اولاد ہے۔ شروع میں ڈاکڑوں نے کہا تھا کہ اندر وہی ساخت ہاتھیوں جیسی ہے۔ پھر رائے بدلتی۔ اس پر خاصا بہگاہ ہوں۔“

”ارے تری ہنگائے کی....!“ قاسِم نے پلٹ کر گھونسہ چلایا۔ حیدر پچھے کی طرف تن گیا
قاسِم کے بازو میں کافی چوٹ آئی۔ وہ جلا کر اٹھ ہی رہا تھا کہ انور نے اس کی کر پکڑی۔

”کیا کر رہے ہو....؟ بیٹھو....!“

”من نہیں کرتے آپ....!“ قاسِم غصیل آواز میں بولا۔

”اب نہیں بولے گا.... بیٹھو تو۔“

”نہیں... نہیں... وہ مذاق نہیں تھا۔“

”پھر....؟“ حیدر نے اپنے لہجے میں حریت کے آثار پیدا کئے۔

”میں کس طرح بتاؤں.... میری سمجھ میں آتا۔ میں نے شاید آپ سے اپنے مرض کا تذکرہ کیا تھا کہ میں نیند کی حالت میں چلتی ہوں۔“

”تم نے بتایا تھا۔“

”لیکن....!“

قبل اس کے کہ لڑکی جملہ پوزا کرتی۔ انور پلٹ کر بولا۔ ”بہتر ہو گا اگر ہم یہاں اس قسم کی گفتگو نہ کریں۔“

لڑکی نے حیدر کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

”پرواہنہ کرو۔“ حیدر نے کہا۔ ”زندگی اسی کام تھے۔“

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اب اس کے چہرے پر بیجن کے آثار نظر آرہے تھے۔

”کب پہنچیں گے؟“ قاسِم نے انور سے پوچھا۔

”فکر نہ کرو.... کبھی نہ کبھی پہنچ ہی جائیں گے۔ تم خاموش میٹھے رہو۔ درست طیعت غراب ہو جائے گی۔“

قاسِم نے پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ اسے چھینک آگئی۔

”میں نہ کہتا تھا۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”منہ بند ہی رکھو رہنے چیختے چیختے براحال ہو جائے گا۔“

قاسِم نے ناک سکوڑ کر منہ پر رومال رکھ لیا۔

”یہ صاحب کچھ عجیب ہیں۔“ لڑکی نے قاسِم کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔

”ہاں تمہارا خیال درست ہے۔“ حیدر بولا۔ ”درست یہ افریقہ کے جنگلوں سے پکڑ کر لایا گیا تھا۔“

لڑکی مسکرانے لگی۔

”تم شاید مذاق سمجھتی ہو۔ یہ حقیقت ہے۔ پانچ سال کا تھا اور دور سے بن ماں کا بچہ معلوم ہوتا تھا۔ اسے آدمی بنانے کے سلسلے میں میں ہزاروں روپے خرچ کئے گئے ہیں اگر تم اس وقت اس

کام پر چھتیں جب یہ آدھا جیوان تھا تو جانتی ہو کیا بتاتا؟“

”کیا بتاتا تھا....؟“

قائم گئے ہوئے سانچ کی طرح "فون فون" کرتا ہوا بیٹھ گیا۔ اور حمید کی طرف مڑکر بولا سمجھ رہا تھا۔
”تم باز نہیں آؤ گے۔ خدا کے لئے اپنی زبان قابو میں رکھو۔“

دوسرے سافرانیں حرمت سے دیکھنے لگے۔ اتنے میں ایزیر ہوش بولکھائی ہوئی قاسم پا پس پہنچی اور اس کی بے چنی بڑھتی ہی رعنی۔ لیکن اسے ایک بار بھی لڑکی سے اس کے متعلق راستے بھراں کی بے چنی بڑھتی ہی رعنی۔ لیکن اسے ایک بار بھی لڑکی سے اس کے متعلق عفتوں کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ اور بُری طرح سر پر سوار تھا۔ اگر حالات ایسے نہ ہوتے تو وہ بُری کا "میری رائے ہے کہ آپ کافی بھیجتے۔ اس سے بُدھا کون ملتا ہے۔" اس نے اسے مشورہ دیا۔
نیز یاد کر پہنچ کر حمید کو ایک دوسرے جھٹت انگزوں والے سے دوچار ہونا پڑا۔ جیسے ہی وہ ایزیر پورٹ پر ہترے ایک خوبصورت تندروست اور اچھائی اسٹارٹ قسم کی امر لیکن لڑکی ان کی طرف اب کچھ بگزونے لگی تھی کیونکہ اس کا بھی یہ پہلا ہی فضائی سفر تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں بُری۔
اور اس کا سر سیٹ کی پشت سے ملک گیا تھا۔

اول حصہ قاسم کے لئے کافی آگئی تھی اس نے جیسے ہی کپ ختم کیا اسے قے کرنے کے لئے تھیلی بھی لینا پڑا اور پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے جہاں میں کوئی بگرا ہو لادنہ آگتا ہو۔
دوسرے سافر پر بیشان ہو گئے۔
قاسم ساتھ ہی "توبہ توبہ" بھی کرتا جا رہا تھا۔ اسے اپنے سارے چھٹے گناہ یاد آگئے تھے۔
بڑی مشکلوں سے یہ طوفان تھا۔

قاسم بدھواں ہو کر اپنی سیٹ میں پڑ گیا۔ دوسرے سافر نے نُسے سے منہ بھار ہے تھے۔
حمدید نے بھی سیٹ کی پشت سے ملک کر آنکھیں بند کر لیں۔ طبیعت کی جو لانی پر فتنہ رفتہ بے حسی کی کہر مسلط ہوتی چاہی تھی لیکن اس کا ذہن اب بھی جاگ رہا تھا۔ سکون ہوتے ہی اسے پھر چھپلی رات کے واقعات یاد آنے لگے اگر انور لڑکی کو بروقت ٹوک نہ دیتا تو ممکن تھا کہ اس کی ایک ابھسن تو دور ہو ہی جاتی۔ آخر اس حرکت کا مقصد کیا تھا۔ لڑکی نے ہوش میں آنے کے بعد جو بے ربط جملے کہے تھے کیا حقیقتاں میں کوئی خاص بات پوچھیا تھی؟ اگر اس کا مقصد قتل ہی کرتا تھا لہ
پھر اس خجھ نما کھلونے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ پھر اگر وہ تیندھی کی حالت میں تھی تو حمید ہو کیوں....؟ اس نے قاسم کے کمرے کا رخ کیوں نہیں کیا تھا۔ اور بھی فریدی کے جھیں میں دیہن موجود تھا۔ اس پر یہ حملہ کیوں نہ ہوا؟ اور پھر اس پر فریدی کا روپ یہ؟ وہ تو اس والقے سے بھی زیادہ غیر واضح اور ابھسن میں بدل کر دینے والا تھا۔ پتہ نہیں وہ لڑکی کیا بلا تھی اور فریدی اسے کیا

حمدید روزا کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ دل ہی دل میں فریدی کو رُد ابھلا بھی کہہ رہا تھا۔ فریدی جو خود کو عورت کے معاملے میں انتہائی خشک ناہر کرتا تھا۔
روزا اور سے پس پہنچ کر باشیں کرتی رہی اور حمید کے سینے پر سانپ لوٹتے رہے۔

”قاسِم کیا خیال ہے؟“ اس نے قاسِم کو آنکھ مار کر کہا۔
”خیال انک گیا ہے۔“ قاسِم کمزور سی آواز میں بولا۔
”کیا مطلب...؟“
”پچھے بھائی نہیں دیتا۔“ قاسِم نے اپنے سر پر باتھ مار کر کہا۔
جید نے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

حمدی او ٹھنڈے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی نیند گھری ہو گئی۔
پھر پتہ نہیں وہ خود ہی جا گایا کسی نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔
کار رک گئی تھی اور بقیہ لوگ نیچے اتر رہے تھے۔ حید نے بھی جلدی سے ان کی تقلید کی۔
چہاں کا کار رکی تھی وہ ایک چھوٹا سا باغچہ تھا اور اس کے وسط میں ایک منحصری دو منزلہ
عمارت نظر آری تھی۔
وہ عمارت کی طرف چل پڑے۔ روزا ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔ اور پھر اس عمارت میں
 داخل ہوتے ہی حید کے ذہن کو اتنا بڑوست جھکلا گا کہ اسے چھٹی کا دو دیاں آگیا۔
اس کے سامنے سگ ہی کھڑا مسکرا رہا تھا اور اسی کے قریب وہ امریکن ماہر آثار قدیمہ بھی
 موجود تھا جس کی پارٹی نے مردہ شہزادی کے طوق کے لئے سگ ہی سے باقاعدہ جگ کی تھی۔
لیکن.... ان دونوں کے انداز سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے اب وہ بہت گھرے دوست ہوں۔

نئی مصیبت

حمدی اور اسکے ہم سفر اس طرح کھڑے تھے جیسے ان کے جسموں کا سارا خون نجند ہو گیا ہو۔
”کرٹل فریدی ہے... اور کمپنی حید۔“ سگ ہی طنزیہ انداز میں جھک کر بولا۔ ”وہاں آپ نے
مجھے شرف میزبانی بخشے سے انکار کر دیا تھا لیکن میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے ہزاروں میل
کی دوری پر مجھے سفر فراز فرمایا۔ آپ کھڑے کیوں ہیں؟ تشریف رکھئے نا... آپ کا یہ خادم ہیاں
بہت معزز سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ڈاکٹر؟“ سگ ہی نے بڑھے ماہر آثار قدیمہ کی طرف دیکھا۔ پھر
اس کی نظر قاسِم پر پڑی۔ وہ اس کے ڈیل ڈول کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

”آپ کی تعریف...؟“ اس نے قاسِم کی طرف اشارہ کر کے حید سے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ پہلے تم اس سے تعارف حاصل کرو۔“ حید نے ریکھا کی طرف اشارہ کیا
سگ ہی نے ہلاکا ساقہ تھا کہ کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ یہ تم لوگوں کے لئے دردسر بنی۔“

”نہیں! یہ ہمارا غالباً فرض تھا کہ ہم اسے تمہارے پاس پہنچا دیں۔“

”شکریہ... شکریہ۔“ سگ ہی سر ہلا کر بولا۔ پھر اس نے انور سے کہا۔ ”کرٹل صاحب
آپ کیوں خاموش ہیں...؟“

نیویارک کی سر بغلک عمارتوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ذرا ہی دیر میں اس کا
چکر آگاہ۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔
اس کی ہم سفر لڑکی ریکھا اس سے بھی زیادہ مبہوت نظر آری تھی۔
وہ دوینگ روم میں آئے۔ امریکن لڑکی روزانہ انور کو باتوں میں ایجادے ہوئے تھے۔ وہ تھوڑے
دیر کے لئے وہاں سے ہٹی تو حید نے انور کو الگ بلکہ اس کے متعلق استفسار کیا۔
”میں کچھ نہیں جانتا۔“ اور بولا۔ ”فریدی صاحب نے وہاں مجھے اس لوگی کی ایک تصویر دی تھی
اور نام بتایا تھا۔ یہ نیویارک میں ہمیں ملے گی اور ہمارا قیام اسی کے لیے ہاں سے ہو گا۔“
”آخر فریدی صاحب اسے کیسے جانتے ہیں؟“ حید نے کہا۔ ”اوہ پھر تمہیں دیکھ کر اس سے
اس طرح گفتگو شروع کی تھی جیسے وہ فریدی صاحب کو جانتی تو ہو مگر ملنے کا اتفاق پہلی ہی بار ہوا ہو۔“
”شاید وہ دونوں پن فرینڈ ہیں۔“

بات ہمیں تک پہنچی تھی کہ روزا اپس آگئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نہایت شاندار کار میں
بیٹھنے ہوئے نیویارک کی کشادہ سڑکوں سے گزر رہے تھے۔
قاسِم کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی اور روزا کو اس طرح آنکھیں بچاڑھا کر دیکھ رہا تھا
جیسے وہ اپنیک آسمان سے اس کار میں پہنچا ہو۔ ریکھا آنکھیں بند کئے سوچ رہی تھی۔ شاید وہ روز
کے مقابلے میں احساسِ کتری کا شکار ہو گئی تھی۔
کار کا سفر طویل ہی معلوم ہو رہا تھا کیونکہ متواتر ایک گھنٹہ چلنے کے بعد بھی وہ کسی عمارت
کے سامنے نہ رکی۔

پھر نیویارک کی اوپنجی عمارتوں والا حصہ بہت پیچھے رہ گیا۔
اب ان کے گرد و پیش ہرے بھرے باغات اور کھیتوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے تھے۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ واقعی تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔

"بہت زیادہ... کرٹل... بہت زیادہ۔"

"ختم کرو ایسا باتیں۔" ڈاکٹر شپرڈ ہاتھ مالٹا کر بولا۔ پھر اس نے روزا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تو اسی وقت شہر واپس جاؤ۔"

"مگر ڈیڈی... تم ان لوگوں کو کیا جاؤ۔ میرے مہمان ہیں۔ میں انہیں یہاں چھوڑ کر کیے جا سکتی ہوں۔"

"نہیں بے بی۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "یہ دراصل میرے مہمان ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی مسٹر سنگ۔"

"اب سے چھ ماہ پیشتر تمہارے ڈیڈی مشرق میں تھے۔"

"ہاں...!"

"ان لوگوں نے وہاں ان کے ہاتھوں میں ہھکڑیاں ڈالی تھیں۔"

"کرٹل فریدی نے...؟" روزا کے لجھ میں حیرت تھی۔

"ہاں...!"

"کیوں ڈیڈی...؟"

"تم جاؤ... تھیں ان باتوں سے کوئی سرد کاردنہ ہونا چاہئے۔" ڈاکٹر شپرڈ نے سخت لجھ میں کہا۔
"میں نہیں جا سکتی... تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔ تم جانتے تھے کہ میں نے کرٹل سے خط و کتابت کے ذریعہ دوستی کی ہے۔ جب اس نے مجھے ایزگرام کے ذریعہ مطلع کیا کہ وہ نیوار ک آ رہا ہے تو تم ہی نے مجھے اس کو اپنے یہاں نہ عو کرنے کی ترغیب دی تھی۔ آخر تم نے مجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا۔"

"مکاروں کو مکاری ہی سے مارتے ہیں بے بی۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آہا...!" قاسم ہاتھ نچا کر دھاڑا۔ "تم سالے جیسٹر کی اوالا... ہمیں مارو گے۔" پھر اس نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے روکئے گا نہیں۔"

"بے جیا لے معلوم ہوتے ہو۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "ذرالاپنے چاروں طرف بھی ایک نظر ڈال لو۔"

انہوں نے چاروں طرف اچھتی ہوئی نظر ڈالی۔ تمن آدمی مختلف بجھوں پر نای گھنیں لے کرٹے تھے۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" روزا جیچ کر آگے بڑھی۔

"چل جاؤ...!" ڈاکٹر شپرڈ غریباً۔

"ڈیڈی! تم ایک معزز آدمی ہو۔" روزا بے بی سے بولی "میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتی تھی۔ یہ کھلا ہوا جرم ہے۔ میرے خدا... ڈاکٹر شپرڈ اور قاتل...!"

"ڈاکٹر...!" سنگ ہی بولا۔ "بے بی کو یہاں سے ہٹا دو۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"رو جو...!" ڈاکٹر نے کسی کو پکارا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک پستہ قدار اور مضبوط جسم کا امریکن کمرے میں داخل ہوا۔

"روزی کو... شہر لے جاؤ۔"

"میں نہیں...!"

"شٹ اپ...!" ڈاکٹر حلق چھاڑ کر چینا۔ اس کی آنکھیں براؤ راست روزا کی آنکھوں میں گزی ہوئی تھیں اور روزا کے پیر کانپ رہے تھے۔

"چلو سکی...!" روجرنے اس کا شانہ چھو کر کہا۔

روزا چینی اور احتجاج کرتی چل گئی۔

حید نے انور کی طرف دیکھا جو دم بخود کھڑا ہوا تھا اسے حیرت تھی کہ انور اتنا خاموش کیوں ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سنگ ہی طوق تو حاصل کر دی چکا ہے۔ پھر اب کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو زندہ ہی رکھے۔ فریدی سے اسے اس بات کا خدشہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا تعاقب کرے گا۔ لہذا اپنی دانست میں فریدی پر قضاۓ پالینے کے بعد وہ چوک نہیں سکتا۔

"ہاں کرٹل اب ہتاو۔" سنگ ہی اطمینان سے بیٹھ کر سکریٹ سلکاتا ہوا بولا۔ "میں یہاں دیکھوں گا کہ تم کتنے طاقت ور ہو۔"

اچاک انور کی آنکھوں سے بد حواسی جھاٹکنے لگی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور ہکلا کر دیا۔ اس پر ڈاکٹر شپرڈ اور سنگ ہی دونوں ہنس پڑے۔

حیدر دل ہی دل میں جل بھن کر رہا گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ انور کا گلاد بادے کم بخت جب فریدی کی پوری نقل نہیں اتار سکتا تو ایسے آدمی کو اپنی جگہ دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ سوچ کر حیدر کو فریدی پر غصہ آگیا۔

”مجھ سے پوچھو کیا چاہتے ہو.....؟“ حیدر نے سنگ ہی سے گرج کر کہا۔ ”ہاں انہیں سے پوچھ لو۔“ انور رو دینے والی آواز میں بولا۔ ”میں تو ایک غریب آدمی ہوں۔“ نبی طرح پھنس گیا ہوں۔“

”شٹ آپ....!“ حیدر نے انور کو دھکایا۔ ”تم بھی مار لو بھائی۔“ انور سچ مجھ رونے لگا۔

”ہائی.... فریدی صاحب۔“ قاسم گڑیا کر بولا۔ ”فریدی صاحب کی ایسی کی تیسی۔“ انور اپنار پر پیٹنے لگا۔ ”میں برباد ہو گیا۔ سنگ ہی اور ڈاکٹر شپرڈ انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔“

”آبے او مردو دیکیا کر رہا ہے۔“ حیدر اردو میں دہاز۔ سنگ ہی نہ صرف اردو سمجھتا تھا بلکہ اچھی خاصی بول بھی لیتا تھا۔ حیدر کی زبان سے اپنے کر لیا۔ یاد رکھو۔ سنگ ہی ایک ایسا آئتا ہے جو آنکھ بند کر کے جملہ کرتا ہے۔“ افیسر کے لئے اس قسم کے جملے سنتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انور کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا انور سے صرف دو فٹ کے فاصلے پر رک گیا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی اور اندر کوڈ ہنسی ہوئی چکیلی آنکھیں انور کی آنکھوں میں جھانک رہی تھیں۔

”حیدر بھائی پاگل ہو گئے ہو کیا....؟“ قاسم حیدر کے قریب سرک کر بدبدیا۔

دفعتائیں ہی ڈاکٹر شپرڈ کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹ بھیخے ہوئے تھے اور نہنے اس طرح پھول رہے تھے جیسے اس کی سانس رک گئی ہو۔

”یہ فریدی نہیں ہے۔“ اس نے ڈاکٹر شپرڈ سے کہا۔

”کیا....؟“ ڈاکٹر شپرڈ بھی اسی طرح اچھلا جیسے کرسی کے دانت نکل آئے ہوں۔

”ہاں.... یہ فریدی نہیں ہے۔“ سنگ ہی پلٹ کر انور کا گریبان پکڑتا ہوا بولا۔ ” بتاؤ! تم کون ہو....؟“

”مم.... میں.... ایک قیدی ہوں۔“ انور گزر گیا۔ ”فریدی نے مجھے اس شرط پر جیل سے رہائی دلائی تھی کہ میں اس کی شکل میں اس کے آدمیوں کے ساتھ نیبارک جاؤں گا۔“

”یہ تو بہت براہو۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

”ہاں.... ہواتو....“ سنگ ہی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

پھر وہ حیدر کی طرف پڑتا۔

”فریدی کہاں ہے؟“

”میں نہیں جانتا۔“ حیدر نے لاپرواٹی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

”میں بہت بڑی طرح پیش آؤں گا۔“

حیدر اس کی بات سنی ان سکی کر کے ڈاکٹر شپرڈ سے بولا۔

”ڈاکٹر تم مجھے بڑے بے قوف آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

”کیوں....؟“ ڈاکٹر شپرڈ بھٹاکیا۔

”کیپشن لو تھر کا انجام پیش نظر ہوتے ہوئے بھی تم نے ایسے خطرناک آدمی سے گھجور کر لیا۔ یاد رکھو۔ سنگ ہی ایک ایسا آئتا ہے جو آنکھ بند کر کے جملہ کرتا ہے۔“

”تم اپنی فکر کرو لٹکے۔“ سنگ ہی غرایا۔

”پرواہنہ کرو....!“ حیدر مسکر لیا۔ ”شاید تم وہ رات بھول گئے جب تم نے کیپشن لو تھر کی کوئی میں میری جان لینے کی کوشش کی تھی... کیا تمہیں میری فولادی انگلیاں یاد نہیں؟“

”بکواس بند کرو.... موت تم سے زیادہ دور نہیں۔“

”ہم لوگ موت کے ہمسائے ہیں مسٹر سنگ....!“ حیدر تفحیک آمیز مسکراہٹ کیسا تھا بولا۔

”انہیں تو ختم کرو۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے غصیل آواز میں کہا۔

”ختم تو کے ہی جائیں گے۔“ سنگ ہی ایک طویل سانس لے کر بولا ”لیکن ذرا شہرو۔ طوق ابھی تاکمل ہے۔“

”ہاں ٹھیک ہے۔“ شپرڈ بڑا بڑا۔

”طوق تاکمل کیوں ہے۔“ حیدر نے حیرت سے پوچھا۔

”زبان بند کرو....!“ سنگ ہی جھلا کر بولا۔

شپرڈ تینوں مسلح آدمیوں میں سے ایک کو الگ بلا کر آہستہ کچھ کہنے لگا۔

”میں نے جسمیں پہلی بار غصے میں دیکھا ہے۔“ حید نے تھیک آمیز لمحے میں سگ ہی سے کہا۔ ”شاید یہ اس نگست کا نتیجہ ہے۔“

”نگست....!“ سگ ہی اپنا مودہ بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”ابھی فتح و نگست کا سوال ہی نہیں.... یہ ایک لمبادا ہے.... فریدی بھی کیا یاد کرے گا۔ مگر اتنا مانتا ہوں کہ تم دونوں کے ستارے بہت اچھے ہیں۔“

”ماننے ہوتا.... ہم لوگ ستارے نہیں بلکہ سورج رکھتے ہیں.... مگر سگ ہی۔ تم نے طوق کے نامکمل ہونے کے متعلق کیا بات کی تھی؟“

”کچھ نہیں! کوئی خاص بات نہیں.... تم لوگ واقعی ہمارے مہمان ہو۔“

”تو کیا تم مجھ سے کیس محاٹے میں گفتگو ہی نہ کرو گے؟“ حید نے کہا۔

”کیوں.... کیسی گفتگو؟“

”طوق کے متعلق۔“

”اپنی زندگیوں کے متعلق گفتگو کرتا چاہو تو میں تیار ہوں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”میا تمہیں زندگی عزیز نہیں ہے؟“

”ہے کیوں نہیں؟“

”پھر ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔“

”ہمیں تمہارے خزانے سے غرض نہیں۔“ حید نے کہا۔ ”پھر اخیال ہے کہ طوق کی تحریر ہی تمہارے لئے اہم ہو سکتی ہے۔“

”میں اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔“

”تو پھر ہماری زندگیوں کے متعلق بھی تمہارا فکر مند ہوتا فضولی نہیں ہے: ہم اسے جلی کی

”government کے پرد کے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔“

”سگ ہی چند لمحے خاموش رہا پھر مسکرا کر بولا۔“

”تم شاید اس لئے مطمئن ہو کہ فریدی میری گرفت میں نہیں آیا لیکن اس خیال میں نہ رہو۔“

یہ تمہارا ملک نہیں.... یہاں تم سگ ہی پر سبقت نہیں لے جاسکتے۔ تم نہیں جانتے کہ میں ان اطراف میں کتنا بااثر ہوں۔“

”جی ہاں.... جی ہاں.... آپ تھیک کہہ رہے ہیں۔“ قاسم اپنا ہیئت دباتا ہوا بولا اسے دراصل بہت شدت سے بھوک لگی ہوئی تھی اور نہ جانے کیوں اسے بالکل خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سب کچھ محض مذاق ہو۔

”یہ کون ہے؟“ سگ ہی نے ایک بار پھر قاسم کو نیچے سے اوپر لکھ دیکھ کر پوچھا۔ ”تم اپنے اڑور سونخ کی بات کر رہے تھے۔“ حید نے اسے نوکا۔

”کچھ نہیں....!“ سگ ہی جھلاہٹ میں ہاتھ ہلا کر بولا۔

”تھی گنوں سے مسلح آدمی ان کی طرف بڑھے۔“

”کھکھو....!“ ان میں سے ایک دروازے کی طرف تھی گن کی نال سے اشارہ کرتا ہوا افراد اور وہ سب دروازے کی طرف چلنے لگے۔

”تم یہیں ٹھہر دو....!“ سگ ہی نے ریکھا سے کہا۔

”وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف جھانک رہا تھا۔“

اس نے بڑی بے بی سے حید کی طرف دیکھا۔

”سگ....!“ حید بھی چلتے چلتے رک کر بولا۔ ”تمہارا مقصد تو پورا ہوئی چکا ہے اب اسے ہمارے ہی ساتھ رہنے دو۔“

”کیا مقصد....?“ سگ ہی نے حیرت سے کہا۔ ”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ یہ میری منفی منی سی محبوبہ ہے.... میں اسے چاہتا ہوں.... ریکھا ذار لگ! اب تم مجھ سے جدا نہیں ہو گی۔“

”میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“ ریکھا خوفزدہ آواز میں بولی۔

”تم چلو....!“ ایک مسلح امریکن نے حید کو دھکا دا اور وہ چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔

”خوڑی دیر بعد وہ ایک کرے کے فرش پر بیٹھے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔“ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

یہ کمرہ غالباً گمرا کے اشور کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ چاروں طرف مختلف قسم کی

جیزوں کے ابزار تھے اور درمیان میں خوڑی سی جگہ غالباً تھی وہیں یہ تینوں بیٹھے اپنے مستقبل

میں جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

”یہ تم نے کیا کیا انور...؟“ حیدر خوڑی دیر بعد بولا۔

”یہ بھی اسکیم ہی کا ایک حصہ تھا۔“

”میں لہنٹ بھیجا ہوں اس اسکیم پر... جس سے مجھے بے خبر کھا گیا۔ تم کیا مجھ سے زیادہ ہو؟“ کی تھی۔

”یہ فریدی صاحب کا نظریہ ہے۔ انور مسکرا کر بولا۔“ میرا پناہیں۔

”یعنی تم مجھ سے زیادہ ہو۔“

”یقیناً...!“

”میں تمہیں اپنے جوتے کی غاک کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔“

”مت سمجھو۔“

”ارے باپ رے۔“ دفعہ قاسم اچھل پڑا اور پھر وہ باقاعدہ اچھلنے کو دنے لگا۔ ایک بڑی سر چوہیا اس کی پتلوں کے پائیچے سے نکل کر بھاگی۔

”ارے خدا تھے غارت کرے۔“ وہ زور سے دھاڑ کر اس کے چیچے جھپٹا لیکن وہ دبول کے انبار میں غائب ہو گئی۔ پھر انہوں نے قاسم کو ہستے سنا۔ وہ تیزی سے اُن کی طرف پلت کا آہستہ سے بولا۔ ”رجنوں ڈبے... خدا کی قسم... مزہ نہ گیا۔“

”کیا ہوا...؟“

”مچھلیوں اور چلوں کے ڈبے... خوب ڈٹ کر کھاؤ مری جان... آہم۔“

قاسم ڈبوں پر ٹوٹ پڑا۔

پُر اسرارِ مشرقی

روزاراستے میں کافی دیر تک سکیاں لیتی رہی۔ روجر خاموشی سے کارڈ رائیون کر رہا تھا۔ اُن کے قریب ہی کھڑا اسے نبڑی طرح گھور رہا تھا۔ روزا کہم گئی اسے اُس کی آنکھوں میں بر قی روایت نہیں سمجھتی تھی۔

”روجر...!“ آخر روزا ہی نے اسے مخاطب کیا۔ ”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں ڈیڑی کو ایک

لکھتی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ ادھیڑ عمر کا ایک تدرست اور وجہہ آدمی تھا اور اس کے کاندھوں پر

”وہ تو سب ٹھیک ہو رہا ہے لیکن میں اسے پند نہیں کرتا کہ ڈاکٹر اس دو غلے چینی سے

اشٹاک کریں۔“

”لیکن وہ ہے کون...؟“

”سُنگ ہی... ایک جلاڈ طن چینی... جس نے اپنے ملک کی حکومت کا تختہ اللہ کی سازش

”ڈیڑی اس سے کس معاملے میں اشٹاک کر رہے ہیں۔“

”یہ انہیں سے پوچھتے تو بہتر ہے۔ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔“

”اچھا تو ہی ہتاوگ ک اس ایشیائی سراغ رسماں سے وہ کیوں الجھ رہے ہیں؟“

”میں کچھ نہیں بتا سکتا مسی۔“

روزا کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

”مجھے ڈیڑی نے دھوکا دیا ہے... اسے میں کبھی نہ بھولوں گی۔ وہ اب میں سمجھی۔ انہوں

نے اسی لئے مجھے فریدی سے قلمی دو تک پیدا کرنے پر اکسیلا تھا۔“

”مسی... میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔“

روزا کچھ نہ بولی۔

میں غائب ہو گئی۔ پھر انہوں نے قاسم کو ہستے سنا۔ وہ تیزی سے اُن کی طرف پلت کا آہستہ سے

بولا۔ ”رجنوں ڈبے... خدا کی قسم... مزہ نہ گیا۔“

”اوہ انہوں نے گھر نہیں شہر کھاتا... جو میں کہہ رہی ہوں کرو۔“

روجر نے گاڑی سکستھ ایونیو کی طرف موڑ دی۔

اور پھر روزا ایمیلڈ کیٹس (Wild Cats) کے سامنے اتر گئی یہ ایک شاندار ہوٹل تھا۔

وہ چند لمحے باہر ہی کھڑی رہی۔

روجر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اسے اس کی روائی کا انتظار تھا۔ وہ تو بس یونہی بلا مقصد باہر

روزاراستے میں کافی دیر تک سکیاں لیتی رہی۔ روجر خاموشی سے کارڈ رائیون کر رہا تھا۔ اُن

نے ایک بار بھی نہ تو اس کی طرف دیکھا اور نہ اظہار ہمدردی کے سلسلے میں کچھ کہا۔

”روجر...!“ آخر روزا ہی نے اسے مخاطب کیا۔ ”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں ڈیڑی کو ایک

ایک بڑا سایہ رنگ کا نیوالا بیٹھا رہا تھا۔

نیارک ہے شر میں کسی ایسے آدمی کا دھکائی دے جانا معمولی بات نہیں تھی۔ جلد ہی لوگ اس کے گرد آتھا ہو گئے وہ ایک مہذب اور بالسلیقہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس کے شانے پر بیٹھا ہوا نہلا... یہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔

روز اس کی نظر کی تاب نہ لا کر ہوش میں چل گئی۔

وہ نہ اسرارِ مشرقی آدمی بھی دانٹلے کے دروازے کی طرف مڑا۔ باہر کمڑا، امام حافظ شاہید اس سے واقف تھا... اس نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیہ سی جنیش دی اور اس سے نہلا لے لی۔

نہ اسرارِ مشرقی ہوش میں داخل ہوا۔ اس کے پیچے کسی ہوئی بھیز نیولے کے ساتھ باہر ہی رہ گئی تھی۔ پھر چند ہی لمحات کے بعد روزانے اسے اپنی میر کے قریب ہی ذیکھا۔

وہ اس سے اس کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

”خی... خی ہاں... بیٹھنے۔“ روزا بکھاری۔

”مکری...!“ مشرقی نے بیٹھنے ہوئے کہل۔ ”میں دراصل آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”کیا پوچھیں گے...؟“ روزا کا دل دھڑکنے لگا۔

”اوہ... کوئی خاص بات نہیں... میں نے ایک پورٹ پر آج صبح آپ کے ساتھ کوچوں ایشیائی آدمی دیکھے تھے اور اگر میں غلطی پر نہیں ہوں، تو ان میں میرا ایک دوست بھی تھا۔“

”کون...؟“

”وہ غالباً کرتل فریدی تھا۔“

”اوہ... تو کیا آپ کرتل کے دوست ہیں؟“ روزانے پر جوش لجھ میں پوچھا۔

”ہاں... میں اس کا دوست ہوں۔“

”تب تو... جب تو آپ جلدی کیجھ کیونکہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔“

”کیا بات ہے؟“

”وہ اس وقت آپ اسٹیٹ (Up State) میں ہے اور اس کے ساتھی بھی... میں آپ کو پہنچتا سکتی ہوں لیکن جلدی کیجھ۔“

روزا اسے پتہ بتانے لگی۔

وہ خاموشی سے ستارہ بہ پھر آہستہ سے بولا۔ ”آخروہ لوگ کون ہیں جنہوں نے اسے اس

”طرح روکا ہے؟“

”میں نہیں جانتی.... آپ جلدی کیجھ... جائیے۔“

”مگر وہ تو آپ کے ساتھ تھے۔“

”اوہ... میں دھوکا کھا گئی۔“

”اچھا تو آپ بیکی باتیں میرے ایک ساتھی کے سامنے دیراد بیجھے۔ اس کے بعد پھر ہم کچھ کر سکیں گے۔“

”دیکھتے اس کا وقت نہیں ہے... میں کہتی ہوں جلدی کیجھ... اٹھنے میں بھی ساتھ چلوں گی۔“

”مکری... بہت بہت مکری۔“ مشرقی اٹھتا ہوا بولا۔

دونوں باہر آئے اور محافظ نے نڈالا سے واپس کر دیا۔ اب وہ پھر اس کے کانہ ہے پر سوار ہو گیا۔

مشرقی آدمی ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھ گیا۔ لیکن گھوم کر بیامیں کھڑکی سے اسکے پاس جا بیٹھی۔

کار چل پڑی۔

”آپ کہاں چل رہے ہیں...؟“ روزا دھلتا چوک کر یوں۔

”زیادہ دور نہیں... بس آپ میرے ساتھی کے سامنے...!“

”آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔“ روزا جھنجھلا گئی۔

”دیکھتے... اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔“

”آپ اس معاملے کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں۔“

”مجھے پورا پورا احساس ہے۔“

روزا خاموش ہو گئی۔ لیکن اس کے پیہرے پر زندگی الجھن کے آثار تھے۔

آخر کار گاڑی ایک سولہ منزلہ عمارت کے سامنے رک گئی اور وہ لفت کے ذریعہ دسویں منزل پر پہنچ۔ مشرقی نے ایک فلیٹ کے دروازے کا پینڈل گھما کر کھوالا۔

”آئیے...!“ اس نے روزا سے کہل۔

”وقت بر باد ہو رہا ہے...!“ روزا جلدی سے یوں۔ ”مجھے ذر ہے کہ کہیں ان کی زندگیاں خطرے میں نہ پڑ جائیں۔“

”افسوس کہ میرا ساتھی کہیں باہر گیا ہوا ہے۔“ مشرقی نے چاروں طرف دیکھ کر مایوسانہ

روزا سے تیز نظروں سے گھورنے لگی۔ پھر دفتار اس کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔ مشرق نو لا اس کے کانڈھوں نے آٹر کر گود میں آگیا تھا اور روزا ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے وہ نو لا اسے کینہ تو ز نظروں سے گھورتا ہو۔

اس کے جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ پیشانی پر سینے کی تنفسی تنفسی سی بوندیں پھوٹ آئیں۔ ”کیوں کیا بات ہے۔“ مشرقی نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ وہ گفتگو کے دوران میں عموماً مخاطب کے چہرے سے اپنی نظریں ہٹائے ہیں رکھتا تھا۔
”دیکھئے...!“ روزا تھوک نگل کر بولی۔ ”میں سمجھتی ہوں۔ آپ نے مجھے بطور یعنی مکمل یا۔ لیکن میں حل斐ہ کہتی ہوں کہ آپ کے دستوں کی مصیبت کی وجہ میں نادانستہ طور پر بنی ہوں اور آپ خود سوچئے اگر میں اس سازش میں شریک ہوتی تو آپ سے ان لوگوں کا تذکرہ ہو کیوں کرتی۔“

”مکلن ہے کہ تم مجھے بھی وہیں پہنچانا چاہتی ہو۔“ مشرقی سر دلنجھ میں بولا۔
”ہرگز نہیں... میں آپ کو کس طرح یقین دلاوں۔ اچھا یہ بہتر رہنے گا کہ آپ فی الحال مجھے اپنی قید ہی میں رکھئے اور خود پولیس کے ساتھ میرے بتائے ہوئے پتے پر جائیے۔۔۔ حقیقت کھل جائے گی۔“

”تمہیں سازش کا علم نہیں تھا۔“

”ہرگز نہیں... ذیمی بھی ایسے آدمی نہیں ہیں۔ انہیں اس دو غلے چینی نے بہکایا ہے۔“
دھڑتا قریب ہی کہیں ایک بیکی سی آواز کیسا تھا کوئی روزا نہ کھلا اور قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ”او.... شاید میر اساتھی آگیا ہے۔“ مشرقی کہتا ہوا مژرا۔

اور دوسرے ہی لمحے میں روزا کے منہ سے بیکی سی جیج نگل گئی۔ اس کے سامنے فریدی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”اوہ.... کرٹل....!“ وہ اس کی طرف بڑھی۔ ”خدا کا شکر ہے کہ تم وہاں سے نگل آئے۔“

”یہ تو میر اساتھی ہے جس سے ملانے کے لئے میں تمہیں لایا تھا۔“ مشرقی جلدی سے بولا۔

”کیا مطلب....؟“ روزا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”بیٹھ جاؤ مس شپرڈ...!“ فریدی بولا۔
روزا چپ چاپ بیٹھ گئی۔
”کیا نگ اسی ڈاکٹر شپرڈ کے ساتھ ہی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔
”ہاں.... لیکن.... کیا تم وہیں سے نہیں آ رہے ہو....؟“
”نہیں.... میں تو کل رات سے یہاں ہوں۔“
”کرٹل.... میں بہت پریشان ہوں.... اور ساتھ ہی شرمندہ بھی۔ میری پوری داستان سن لو.... پھر طفر کے تیر پھینکنا۔“
”میں طفر نہیں کر رہا ہوں۔“ فریدی نے سمجھی گئی سے کہا۔ ”تم نے مجھے سے قلمی دوستی کیوں کی تھی؟“

”میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔“
”قلمی دوستی کے لئے تم نے مجھے ہی کیوں منتخب کیا؟“
”تمہارے کارڈ مون کی بیان پر....!“
”خیک اسی لئے میں نے یہاں بھی تمہارے اعتماد کو سمجھیں نہیں پہنچائی۔ ڈاکٹر شپرڈ اور سنگ ہی دنوں کچھ تھوڑے سے یوں قوف بھی ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ یہ بھول جاتے ہیں کہ فریدی اتنی معمولی سی چالوں میں نہیں آ سکتا۔۔۔ مس شپرڈ جس فریدی کو تم نے مہمان بنایا ہے وہ میرا ایک معمولی سا آدمی ہے۔ سمجھیں۔“

روزا چند لمحے سے مستقرہ نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”میرے خدا میں سمجھی.... کیا تمہیں اس سازش کا علم پہلے ہی سے تھا؟ مگر آخر کیسے؟ تم ہزاروں میل کی دوری پر تھے۔ میں ہر وقت ڈیمی کے ساتھ رہتی ہوں.... پھر بھی مجھے کچھ نہ معلوم ہو سکا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”تمہارا پہلا ہی خط موصول ہونے پر میں تمہارے نام کے ساتھ ”شپرڈ“ دیکھ کر خٹکا تھا۔۔۔ اور پھر میں نے یہاں تمہارے متخلق انکوارزی کرائی تھی جس سے معلوم ہوا کہ تم ڈاکٹر شپرڈ کی لڑکی ہو۔“

”اور تم مختلط ہو گئے۔“ روزا بولی۔ ”لیکن تمہارا اور ڈیمی کا کیا معاملہ ہے۔ کیا یہ چ ہے کہ تم نے ان کے ہجھڑیاں لگائی تھیں؟“

”یہ بالکل درست ہے۔“ فریدی سگار بلکا کر بولا۔ ”میں نے بلاشبہ ایسا کیا تھا۔ انہوں نے معمولی مجرموں کی طرح میرے شہر میں اودھم چائی تھی اور سگ ہی نے ان کے کئی آدمیوں کو ختم بھی کر دیا تھا۔“

”کیوں... کس لئے؟“

”ڈاکٹر ٹپرڈ جیسے عالم کیلئے یہ حکمت باعث تھگ ہے لیکن دولت کی لائچ کسی کو بھی نہیں چھوڑتی۔ تمہیں یاد ہو چکا کہ چل کے یلوپوم پہلا کی چوٹی پر انکانسل کی ایک شہزادی کی لاش ملی تھی۔“

”اوہ.... ہاں مجھے یاد ہے ڈیڈی بھی اسے دیکھنے کے لئے گئے تھے۔“

”لاش سگ ہی اور اس کے ایک ساتھی نے دریافت کی تھی اور سگ ہی نے اس مر“ شہزادی کے گلے سے ایک زیور اتارا تھا وہ زیور ڈاکٹر ٹپرڈ بھی حاصل کرنا چاہیجے تھا اسی لئے“ سگ ہی کے پیچھے لگے ہوئے میرے ملک تک گئے۔“

”زیور... کیا وہ بہت قتی ہے؟“

”بہت زیادہ! ان لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں کسی بہت بڑے خزانے کا سراغ پوشیدہ ہے۔“ زیور میں نے ان لوگوں سے حاصل کر لیا تھا اور وہ میرے یہاں کے سرکاری خزانے میں تھا کہ سگ ہی اسے دوبارہ لے آؤ۔ اب ڈاکٹر ٹپرڈ اور سگ ہی میں سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ وہ دونوں خزانے کی لاش میں جائیں گے اور اب میری ایک پیش گوئی بھی سن لو۔ اگر سگ ہی کو واقعی کوئی خزانہ مل گیا تو وہ تمہارے باپ کو وہیں قتل کر دے گا۔“

روزا سانی میں آگئی۔

”ایک بیٹی کی حیثیت سے تمہارا فرض ہے کہ تم انہیں اس سے بازار کھو۔“

”وہ میری نہیں سنیں گے۔“ روزاخوفزدہ آواز میں بوی۔

”اگر وہ نہیں سنیں گے تو میری چیش گوئی اٹھ ہے۔“

”پھر میں کیا کروں...؟“

”ایک تجویز ہے میرے ذہن میں۔ مگر شاید تم اس پر عمل نہ کر سکو۔“

”میں ہر تجویز پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ مگر تم مجھ پر اعتماد کیوں کرنے لگے؟“

”اگر مجھے تم پر اعتماد نہ ہو تو میں تم سے اس کے متعلق گفتگو ہی نہ کرتا۔“

”تجویز کیا ہے؟“

”مجھے ان کے پروگراموں سے مطلع کرتی رہو۔“

”اور آپ کے آدمیوں کا کیا ہو گا؟ میرے اخیال ہے کہ وہ خطرے میں ہوں گے۔“

”اسی صورت میں جب انہیں یہ علم نہ ہو کہ فریدی ابھی تک ان کی گرفت میں نہیں آیا۔ لیکن میرے اخیال ہے کہ اب تک ان پر یہ راز کھل گیا ہو گا لہذا ایسی صورت میں میرے آدمی حفاظت ہیں۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”پھر کبھی سمجھ لینا.... میں بتا دوں گا.... مگر ابھی نہیں! فی الحال یہ معلوم کرنے کی کوشش روکے۔ سگ ہی اب کہاں جانے کا ارادہ رکھتا ہے؟ میرے متعلق کسی سے بھی کوئی گفتگو نہ کرو گی۔“

”میرے ساتھیوں کی جس بیجا پر برادر احتجاج کرتی رہو گی۔ غالباً سمجھ گئی ہو گی۔“

”بالکل سمجھ گئی۔“

”میں ہمیشہ یہیں ہوں گا.... اگر میں موجود نہ ہوں تو.... اوہ شہر و.... میں تعارف کرانا تو۔“

”بھول ہی گیا.... یہ میرے بزرگ مسٹر طارق سے ہیں.... اور آپ تو انہیں جانتے ہی ہیں۔“

”میں یہاں کے نہیں جانتا۔“ طارق مسکریا۔

”خوب ہے! دیر بعد روز ارخصت ہو گئی۔“

”لڑکی قابلِ اعتماد معلوم ہوتی ہے۔“ طارق نے ایک طویل سانس لیتے کے بعد کہا۔

”یقیناً.... بہر حال میں آپ کا شکر گرا ہوں کہ آپ اسے یہاں تک لائے۔“

”تکلفات کو چھوڑو.... تمہارا یہ خزانہ میرے لئے ایڈوچر کا ایک نیاد روازہ کھوں رہا ہے....“

”غفر مت کرو.... میں جنوبی امریکہ کا کیڑا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میری ساری زندگی ہی دفینوں کی

”تلash میں گزدی ہے۔“

”میں جانتا ہوں.... اسی لئے میں نے تعاون کی درخواست کی تھی۔“

”درخواست؟ کیا کہہ رہے ہو! میرے بیٹے.... اسے یہ تو میرا اپنا ہی کام ہے۔ مگر تم اپنے

”بابا سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوتے ہو۔ وہ بکھی کسی کا احترام نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی بڑا عظیم

آدمی تھا۔ دو سوتوں پر جان دینے والا مجھ پر ان کے کئی بڑے احسانات ہیں۔“

”آپ نے طوق کی تحریر سے کیا اندازہ لگایا؟“ فریدی نے موضوع بدل دیا۔

”طارق کی نیپے اسرار شخصیت کی داستان“ پر اسرار کنوں ”میں ملاحظہ فرمائیے۔

”کوئی خاص بات نہیں! جگل اور پہاڑوں کے متعلق اشارے ہیں میرا خیال ہے۔“ کر کے برازیل پہنچا قرین قیاس نہیں۔“

سُنگ اور شپرڈ بہت کچھ جانتے ہیں۔“
”تمہارا خیال تھیک ہے.... میں پھر کہتا ہوں کہ وہ لوگ بہت کچھ جانتے ہیں۔ سُنگ ہی نے
کچھ اسی لئے ڈاکٹر شپرڈ پر ڈوڑے ڈالے ہیں۔ شپرڈ ساری دنیا میں تھا آدمی ہے جو تصویری
تحریروں کو قریب قریب بالکل صحیح پڑھ سکتا ہے۔“

”اب ہمیں ان پر گہری نظر رکھنی چاہئے۔“ فریدی بولا۔

”مگر تم اس لڑکی کو کیوں ساتھ لائے ہو؟ خواہ مخواہ ایک رکاوٹ ساتھ لئے پھر رہے ہو۔“

”آپ جانتے ہیں کہ میرے تین آدمی اُس کے ساتھ ہیں اور انہیں ساتھ لئے پھرنے کا
مقصد یہ ہے کہ میں انہیں رہا کرانے کی کوشش کروں۔ اس طرح سُنگ ہی مجھ پر ہاتھ ڈالنا چاہتا
ہے اور میرے ساتھ ڈاکٹر شپرڈ کی لڑکی ہے جسے میں بطور یہ غزال اپنے پاس رکھوں گا۔ ابھی
نہیں۔ کسی موقع پر میں ان لوگوں کو یہ بھی نیا بات جتا دوں گا۔... ورنہ ہو سکتا ہے کہ وہ میرے
آدمیوں کو ختم ہی کر دیں۔“

”تھیک ہے۔“ طارق اپنے نیوبے کو کانہ سے ابتد کر گود میں بھاٹا ہوا بولا۔ ”جب کیا کرتا ہے؟“
”دیکھے.... یہ میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اگر طوق ہاتھ آگیا تو میں خزانے وغیرہ
کے چکر میں نہیں پڑوں گا۔... میرا سب سے پہلا کام یہ ہو گا میں اسے چلی کی حکومت کے سپرد
کردوں۔“

”اگر بھی کرتا ہے تو میرا خیال ہے کہ یہاں کی پولیس اس کے لئے بہت کارگر ثابت ہو گی۔
یہاں سُنگ ہی کی دال نہیں لگلے گی۔ شمالی امریکہ کی بات اور تھی۔“

”یہ قطعی نامناسب ہے میرے بزرگ۔“

”کیوں....؟“

”یہاں کی حکومت کو اگر اس کا علم ہو گیا تو پھر وہ طوق میرے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔“

”کیوں....؟“

”آپ جانتے ہیں کہ انکا نسل کے لوگوں کی اصل سرزی میں یہی ہے۔ یہاں کی حکومت اور
حکومت چلی سے ابھی تک اس لاش کے متعلق جگہزاں چل رہا ہے۔ رواتی خزانے کے تذکرے
یہاں بھی عام ہوں گے۔“

ہوٹل میں ہنگامہ

ایک ہفتہ بعد فریدی اور طارق جنوبی امریکہ کے ایک ملک ایکویڈر کے صدر مقام کیتے
ایک سرائے میں بیٹھے کافی بی رہے تھے۔

ان کے ساتھ ایک خوفزدہ لڑکا بھی تھا۔ وہ پچھلی ہی رات کو ہوائی جہاز سے یہاں پہنچ تھے
ان کی رہنمائی اس نو خیز لڑکے نے کی تھی۔

یہ لڑکا روز اسپرڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔
روز اس نہیں پہنچے سات دنوں میں سُنگ ہی وغیرہ کی خبریں برابر پہنچاتی رہی تھیں اس۔

انہیں بتایا تھا کہ سُنگ ہی کی پارٹی کیتو کے لئے روانہ ہو رہی ہے۔ طارق لڑکی کو ہمراہ لانے پر
نہیں تھا۔ مگر فریدی نے اس کی درخواست منظور کر لی تھی۔

روز اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ شاید وہ بہت زیادہ تھک جانے کی وجہ
بوگی تھی۔

طارق اور فریدی بھی اپنی اصلی شکلوں میں نہیں تھے۔ طارق مقامی باشندوں کے کسی نہ
پیشوائے روپ میں تھا اور اس کا سیاہ نہ لازماً ہر وقت اس کے کانہ سے پر سوار رہتا تھا۔ فریدی نے
یہاں کے مقامی لوگوں ہی کی سی وضاحت اختیار کر لی تھی۔

وہ دنوں کافی دیر سے خاموش بیٹھے کافی سے غل کر رہے تھے۔ سردى کی شدت نے انہیں
گرم کپڑے پہننے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیتو حالانکہ تھیک خط استوا پر واقع ہے۔ مگر سٹھنے سندھر سے
ہزار فٹ بلند ہونے کی بناء پر سال بھر سر در رہتا ہے۔

”میرا خیال صحیح تھا۔“ فریدی کچھ دیر بعد بولا۔
”کیا خیال؟“

”یہی کہ وہ پہاڑ اور جنگل برازیل کے خطے کے نہیں ہو سکتے۔ انکا نسل کے قدیم لوگ
سرزی میں کے علاوہ کسی دوسرے ملک سے واقع نہیں تھے۔ الہذا حالتی تین ہزار میل کا فاصلہ۔“

”لیکن.... یہاں اب انکا نسل کے لوگوں کی حکومت نہیں.... حاکم اپنی لوگ بیرون طارق نے کہا۔

”پچھے بھی ہو وہ طوق یہاں کی قومی ملکیت ہے۔ لیکن چونکہ وہ چلی سے چرایا گیا تھا اس۔ ہماری حکومت اسے دیں پہنچانا چاہتی ہے۔“

طارق پچھے دری خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ”سنگ ہی کے ساتھ پچیس آدمی ہیں۔“

”میں نے آدمیوں کی تعداد کی بھی پرواہ نہیں کی۔“ فریدی سگار سلاکا ہوا بولا۔

”بالکل اپنے باپ کی طرح ضدی بھی ہو۔“ طارق ہنسنے لگا۔



سنگ ہی کی پارٹی کیتوں کے ایک شاندار ہوٹل میں مقیم تھی۔

حید قاسم اور انور بظاہر آزاد نظر آتے تھے لیکن ان میں سے ہر ایک بخوبی جانتا تھا کہ اس معمولی سی لفڑی بھی اسے موت کے منہ میں پہنچا سکتی ہے۔ سنگ ہی کا روایہ ان کے س دوستان تھا۔ لیکن کم از کم حید اس کی فطرت سے اچھی طرح واقع تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کسی دو بھی کوئی الگی حرکت کر سکتا ہے جس کا گمان نکلنے ہو۔

وہ پہ اسرار لڑکی بھی پارٹی کے ساتھ تھی اور اب قاسم اس میں خاصی دلچسپی لینے لگا۔ لیکن حید کی سمجھ میں اب تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ آخر ان میں اس لڑکی کی موجودگی ا مقصود ہو سکتا ہے۔

انور اب بھی فریدی ہی کے میک اپ میں تھا۔ سنگ ہی نے ایک بار بھی اس سے یہ نہیں کہ وہ اس کی اصلی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔ ہوٹل کی ایمنی خادماں میں قاسم کے لئے بڑی کشش رکھتی تھیں کیونکہ وہ سب تدرست مضبوط ہاتھ پیر کی عورتیں تھیں۔

قاسم، انور اور حید ایک ہی کمرے میں تھے لیکن ان کی کڑی گرانی ہوتی تھی۔ اس کے باہمی حید نے کئی بار یہ رائے ظاہر کی کہ لڑبھڑ کر نکل ہی چلنا مناسب ہو گا۔ لیکن انور نے ا منظور نہیں کیا۔ وہ ہربات پر سہی جواب دیتا تھا کہ ”یہ بھی اسکیم ہی کا ایک حصہ ہے۔“

اور حید کو لفظ ”اسکیم“ سے اتنی چڑھتی ہو گئی تھی کہ اسے سنتے ہی اس کی زبان کی نوک؛

گندی سی کالیاں مچھے لگتی تھیں۔

وہ اس وقت بھی انور سے لڑبھڑ کر بیٹھا تھا۔ ہوٹل میں کئی قسم کی تفریحات موجود تھیں لیکن آج وہ شدت سے بور تھا۔

انور اور قاسم شاید ڈائینینگ ہال میں تھے۔

حید کافی دری سے کمرے میں بیٹھا نکل بھاگنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی محسوس نہ ہو سکا کہ ریکھا کب کمرے میں داخل ہوئی۔ حید کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

”آپ یہاں تھا ہیں؟“

وہ ریکھا کی آواز پر چونکہ کر مڑا۔

”آؤ.... آؤ....!“ اس نے کہا۔

”میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔“

”کرو! ہمارے پاس فی الحال باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔“

”میں اس دن جہاز پر آپ کو بتانا چاہتی تھی کہ میں نے ایک بات آپ سے چھپائی تھی۔ اس کا مقصد خود میری بکھر میں بھی نہیں آیا تھا۔“

”ہوں... میں سنتا پسند کروں گا۔“

”شروع میں جب وہ مجھے صدر آباد سے لائے تھے تو مجھے آپ دونوں کی تصویریں دکھائی گئی تھیں۔ وہ دوسرے صاحب یعنی فریدی کی.... اور تصویر دکھاتے وقت سیلس کلب کا مالک مجھ سے کہا کرتا تھا کہ ان دونوں کو مارڈا لانا.... زندہ نہ چھوڑنا.... اس کا یہ زور کا معمول تھا.... وہ ان دو جملوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتا تھا.... میں پہلے تو اس کا مقصد پوچھنا چاہا لیکن اس نے ان جملوں کے علاوہ بھی اور کچھ نہیں کہا۔“

”تو غالباً اب مقصد تم پر واٹھ ہو گیا ہو گا۔“ حید نے سکرا کر کہا۔

”قطیٰ نہیں.... بالکل نہیں.... اگر وہ میری ایک کمزوری یا یہماری سے فائدہ اٹھا کر آپ دونوں کو میرے ہاتھوں قتل کرنا چاہتے تھے تو پھر اس خیبر نما کھلونے کا کیا مقصد تھا۔ اس صورت میں تو انہیں اصلی خیبر یا الور اس بیگ میں رکھنا چاہئے تھا۔“

”ٹھیک کہتی ہو۔“ حید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”پھر وہ تمہارا پا سپورٹ.... اور ان لوگوں سے

نبوکہ میں ملاقات ہوئی۔۔۔ خیر یہ بھی پچھے نہیں۔۔۔ تشویش کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ تمہیں کیوں ساتھ لے پھر رہے ہیں۔

خبردار۔۔۔ اس کے متعلق کسی کو بھی نہ بتانا۔۔۔ میرے دونوں ساتھیوں سے بھی اس کا تنکہ

کرنے کی ضرورت نہیں۔

”اچھا۔۔۔ لیکن نتیجہ کے آپ ذمہ دار ہوں گے میں تو اس قدر بخوبی آگئی ہوں کہ سب پچھے کر گزروں گی۔“

”میں پھر کہتا ہوں کہ تم نتیجے کی فکر مت کرو۔“ حمید بولا۔

”لیکن مجھے کرنا کیا ہو گا۔۔۔؟“

”چھٹا۔۔۔ توڑ پھوڑ۔۔۔ تمہارے دل میں کسی بھی چیز کیلئے ذرہ برابر درد نہ ہونا چاہئے۔۔۔ ذرا منگ ہاں میں ایسی سیستکڑوں چیزیں ہیں۔ میزیں اللہ دینا۔ جو چیز ہاتھ میں آجائے وہی مجھ پر کھینچنے کا رہنا۔“

”بڑا مشکل کام ہے۔“

”جان پچانے کے لئے سب کچھ آسان ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس سفر میں تمہاری شمولیت کا کیا مقصد ہے۔“

”کیا مقصد ہے؟“ ریکھا تھوک نگل کر بولی۔

”کیا تم نے وہیوں کی بھیت کے متعلق کبھی کچھ نہیں سنایا۔۔۔؟“

”میں نے سنایا۔۔۔ لیکن۔۔۔!“

”لیکن وہیں کچھ نہیں۔۔۔ کیا تم اپنے والدین کی۔۔۔ اکلوتی لڑکی ہو۔۔۔؟“

”نہیں۔۔۔ قطعی نہیں۔“

”پھر کوئی اور بات ہو گی۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ وہی کی بھیت نہیں۔۔۔ مجھے اس قبیلے کے متعلق تو یاد ہی نہیں رہا جس کے افراد عورت کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔“

”نہیں۔۔۔!“ ریکھا کا پر کہنڈیانی انداز میں چیختی۔

”اُرے چپ چپ۔۔۔ غل غپاڑہ مت چاہ۔۔۔ وہ تمہیں اس قبیلے کو رشت کے طور پر پیش کر کے اس کی سرحد پار اتر جائیں گے ورنہ تم خود سوچو کہ ایسے سفر میں عورت کا کیا کام۔۔۔ پھر پتہ نہیں وہ تمہیں مسلم ہوں کر کھائیں یا کچاہی چجائیں۔۔۔ خدا کی پنال۔“

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔!“ ریکھا بڑی طرح کا پر رہی تھی۔ ”میں تمہارا کہنا مانوں گی۔۔۔!“

”وہ سور کا پچھے چھینی کہتا ہے کہ تم میری رانی ہو۔ میں ایک بہت بڑے خزانے کی طلاش میں ہوں۔ اس کے ملئے ہی تم سے شادی کرلوں گا۔“

”لیکن رانی کے لئے ضروری تو نہیں کہ وہ بھی اس کے ساتھ جھک مارتی پھرے۔“

”پھر ہتائیے میں کیا کروں۔۔۔؟“

”مزہ کرو۔۔۔ وہ تمہیں رانی بتائے گا۔“

”مجھے اس کی صورت سے گھن آتی ہے۔“

”صورت دیکھنے کی ضرورت نہیں کیا ہے۔۔۔ خزانے۔۔۔!“

”جہنم میں گیا خزانہ۔۔۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔“

”خدا کے لئے اب ہو بھی جاؤ۔۔۔ بہت دنوں سے سن رہا ہوں ورنہ پھر میری کپٹانی بن جاؤ۔“

رانی بتانے کی حیثیت تو نہیں رکھتا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔!“ حمید خاموش ہو گیا۔

پھر یک بیک اس طرح اچھل پڑا جیسے موجودہ مشکلات کا کوئی حل سامنے آگیا ہو۔

ریکھا سے حرمت سے دیکھنے لگی۔

”بس کام بن گیا۔“ حمید چنکی بجا کر بولا۔ ”وزرا اور قریب آؤ۔ کیا تم سچھ پاگل بن سکتی ہو؟“

”حمدید صاحب! میرا مذاق نہ اڑائیے۔“

”سچھے کی کوشش کرو۔۔۔ اگر تم پاگل بن جاؤ تو سارا کام بن جائے۔ آج رات کا کھانا کھاتے وقت ڈائینگ ہاں میں ہلا چاہو۔ سنگ ہی رازداری سے کام لے رہا ہے اور اس کا گروہ بڑا منظم ہے۔

اگر تم پاگل بن گئیں تو لوگوں کی توجہ تمہاری طرف مبذول ہو جائے گی اور یہ چیز پوری پارٹی کے بدحواسی میں بتلا کر دے گی۔ تمہیں پاگل خانے تک پہنچانے کے لئے پولیس آجائے گی اس سے

بعد میں سب دیکھ لوں گا۔۔۔ بولو منظور ہے۔“

ریکھا نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”تجویز معقول ہے لیکن اگر میں سچھ پاگل خانے پہنچ گی تو۔۔۔؟“

”اسے میں سنچال لوں گا کہتا تو ہوں۔۔۔ تم یہ بھی جانتی ہو کہ ہم لوگ کون ہیں لیکر

”بھاگو....“ حمید قاسم اور انور کو جھیزوڑ کر بولا۔ ”ورنہ ایک بھی کالازندہ نہ پہنچے گا۔“

واقعی ان پر چاروں طرف سے یورش ہو گئی تھی۔

سُنگ ہی کے ساتھیوں نے فائز کئے۔

اس پر اور زیادہ اودھم بیج گیا۔

وہ تینوں کی تھی کسی طرح دروازے تک پہنچ گئے۔

قاسم اس وقت تھی جب ان کی ڈھانل بنا ہوا تھا۔ اگر وہ لوگوں کو اچھا لکھا کر راستہ نہ بناتا تو وہ قیامت تک دروازے کے قریب نہیں پہنچ سکتے تھے۔

باہر نکل کر وہ ایک طرف دوڑتے چلے گئے لیکن وہ اپنے پیچے بھی قدموں کی آواز سن رہے تھے۔ تعاقب کرنے والا شاید تھا اور وہ ایک سنان راستے پر دوڑ رہے تھے۔

”ٹھہرو.... ٹھہرو....“ تعاقب کرنے والا اردو میں چینا۔ ”میں دشمن نہیں ہوں..... رک جاؤ.... ورنہ مارے جاؤ گے۔“

وہ رک کر مڑے اور انور نے آنے والے پر تاریخ کی روشنی ڈالی ان کے سامنے ایک دراز قد بوڑھا کھڑا تھا اور اس کے کاندھے پر ایک بڑا ساندھا سورا تھا۔

حسن اتفاق

”تاریخ بخحاوو....!“ نووار دنے کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں قتل کی گئی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کیا یہ فریدی ہے۔ مگر نہیں اگر اس کی یادداشت دھوکا نہیں دے رہی ہے تو وہ اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔

”میرے ساتھ آؤ....!“ نووار بولا۔

”آپ کون ہیں....؟“ انور نے پوچھا۔

”دشمن نہیں ہوں.... جو کچھ میں کھوں کرتے جاؤ.... ورنہ مصیبت میں پڑو گے.... میں فریدی کا دوست ہوں۔“

وہ ایک طرف اندھیرے میں چلنے لگے۔ ہوٹل اب بھی زیادہ دور نہیں تھا۔ اس لئے انہیں

رات بہت سرد تھی۔

لیکن اس بڑے ہوٹل کا ڈائیننگ ہال سترل ہیٹنگ کی وجہ سے گرمیا ہوا تھا۔ ہر طرف سر قہقہے فضا میں ابھر رہے تھے اور آر کشڑا نے ہلکے سروں میں ایک لطیف نغمہ چھپر کھاتا۔ ہال میں کہیں بھی کوئی میز خالی نہیں دکھائی دیتی تھی۔ ریکھا کی میز پر سُنگ ہی.... بڑی موچھوں والا خوفناک آدمی اور شپرڈ تھے۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر انور، قاسم اور حمید تین مختلف میزوں پر تھے ان میں سے ایک کے ساتھ سُنگ ہی کے تین تین مسلسل آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے وہ بظاہر شریف صورت۔ لیکن ان میں سے شاید ہی کوئی رہا ہو جس کے جیب میں اعشاریہ تین آٹھ کاریوں کی رونہ موجود ہو۔ اچانک ہال میں ریکھا کی جیج گوئی۔ اس نے شور بے کی پلیٹ ڈاکٹر شپرڈ کے منہ پر کھینچ مار تھی۔ پھر اس نے میز بھی اٹھ دی۔ وہ ہسپریاً انداز میں جیج گردی اور ساتھ ہی اس دونوں ہاتھ بھی چل رہے تھے جو خالی نہیں ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر بار کوئی نہ کوئی جیز نکل کسی کے لگتی ضرور تھی۔ گلاس.... پچھے.... کائنے.... چھریاں.... پیشیں.... گلدن فضا؛ تیرتے پھر رہے تھے۔

پھر اتنا شور ہوا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

”یہ کاملی عورت کون ہے؟“

”نش میں ہے۔“

”مارو... پکڑو....!“

”سارے کالوں کو پکڑلو۔“

”پولیس.... پولیس....!“

”ارے میری ناک....!“

”ارے میرا سر....!“

”مارو... پکڑو....!“

”پولیس.... پولیس....!“

شور و غل کی آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں۔

”ٹھہر و...!“ تھوڑی دور چلنے کے بعد نوادرنے کہا۔ ”تم سب ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑلو... اور ایک ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر... ادھر نشیب میں پلے آؤ... روشنی کی ضرورت نہیں۔“

راستہ براخرباب تھا۔ وہ سب نشیب میں اترنے لگے۔

نوادر آگئے تھا۔ دھنعتاں کے نیولے نے ایک بہت بڑی تیز اور کرکرہ قسم کی آواز نکالی۔ اور پھر حمید کو یک بیک یاد آگئی اس نے اس آدمی کو کہاں دیکھا تھا۔

”طارق صاحب“ اُن نے آہستہ بے کہا۔ ”دیرنے پہچاننے پر مجھے افسوس ہے۔“

”میں اپ کے باوجود بھی پہچان لیا۔“ طارق نے ہلکا سماق تھبہ لگایا۔

”آپ کی آنکھیں جو ہزاروں میں پہچانی جاسکتی ہیں۔“

”لیکن یہ یک بیک ہوا کیا؟“ طارق نے پوچھا۔

”لڑکی پاگل ہو گئی۔“ قاسم بڑا بڑا۔ ”وہ بہت دونوں سے کہہ رہی تھی کہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔“

”ذرما راج روشن کجھے۔“ طارق بولا۔ ”میں ٹھیک ہی آیا ہوں۔ غالباً غار کا دہانہ ہیں ہے۔“

طارق روشن کی گئی۔ پھر دوسرے لمحے وہ ایک غار میں اتر رہے تھے۔ غار بہت زیادہ کشاڑا نہیں تھا۔ مگر پھر بھی باہر کی سردی کے مقابلے میں نیتا آرام وہ معلوم ہوتا تھا۔

”آپ لوگ یہیں ٹھہریے.... تاکہ میں فریدی کو مطلع کر دوں.... وہ فکر مند ہو گا... اور ان لوگوں میں سے شاید ہی کوئی پچاہو۔ انہوں نے فائزگر کے اچھا نہیں کیا۔“

طارق چلا گیا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔

پھر انور نے پوچھا۔

”یہ کون تھا...؟“

”طارق....!“ حمید نے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ”فریدی صاحب کے والد کے دوستوں میں سے ہے اور انہائی پر اسرار... سارا جنوبی امریکہ اس کا چھانا ہوا ہے.... یہاں کی زبانوں پر اسے قدرت حاصل ہے۔“

”کرنا کیا ہے؟“

”سیاحی اور دینوں کا پچکر.... کافی دولت مند ہے.... مستقل قیام نیویارک میں رہتا ہے۔ مگر فریدی صاحب کی دور اندیشی کی داد دینی پڑتی ہے.... اس مہم کے لئے طارق سے زیادہ مناسب آدمی ملنا دشوار تھا۔“

”پچھے نہیں اس بیچاری کیا کیا حشر ہوا۔“ قاسم بڑا بڑا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”مگر اس طارق کے کاندھے پر بلی کیوں سوار رہتی ہے؟“

”بلی نہیں.... نیولا تھا...!“ حمید نے کہا۔ ”اس نسل کا نیولا صرف انہیں اطراف میں پالا جاتا ہے.... اسے یہاں شکا کی کہتے ہیں.... کچھ قومیں اسے بتراک سمجھ کر پوچھتی ہیں۔“

حمید نے پاپ سلاکا لیا تھا۔
وہ پھر خاموش ہو گئے۔

کچھ دیر بعد انور نے کہا۔ ”آخر یہ یک بیک ہوا کیا؟“
”یہ ساری باتیں تھماری سمجھ سے بہت اوپنجی ہیں۔“ حمید نے اکڑ کر کہا۔

”سیام مطلب....!“

”اُسی لئے تو نہیں بتانا چاہتا کہ تمہیں مطلب بھی سمجھانا پڑے گا۔“
”تو کیا یہ تھماری حرکت تھی؟“

”حرکت....!“ حمید جھنچھلا کر بولا۔ ”اگر میں یہ حرکت نہ کرتا تو تم جنم رسید ہو چکے ہوئے میں تمہیں اتنا چغدر نہیں سمجھتا تھا۔“

”ہوں.... تم سمجھتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے۔“ اور تیز لمحے میں بولا۔

”تمہیں یہہ کیا ہے۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”اب میرا دماغ مت چاٹو۔“

”مجھے نیزد آرہی ہے۔“ قاسم نے جماہی لے کر کہا۔ ”اگر کسی نے شور چاپا تو ٹکا گھونٹ دوں گا.... انور بھائی! تم رشیدہ صاحبہ کو بھی ساتھ کیوں نہیں لائے۔“

انور خاموش ہو گیا۔
حمدیہ پس پڑا۔

”رشیدہ....!“ اس نے کہا۔ ”کیا بھی تمہیں اس سے عشق ہے۔“

”اڑے لا حول.... ہپ... کیا گڑ بڑ.... حمید بھائی.... میں ایسا نماق پسند نہیں کرتا۔“

اور اس پر بھی کچھ نہ بول۔ شاید وہ حمید سے الجھا نہیں چاہتا تھا۔

تحوڑی دیر بعد انہوں نے غار کے دہانے پر قدموں کی آوازیں سنیں اور سنجھل کر بیٹھ گئے۔

باہر سے تارچ کی روشنی اندر ریگ آئی۔ آنے والے تین تھے۔ تارچ پھر بجہادی گئی۔ وہ ان

کے چہرے نہ دیکھ سکے۔

”جگہ تو خاصی ہے۔“ انہوں نے اندر ہیرے میں فریدی کی آواز سنی۔

پھر کسی نے دیا سلامی جلا کر دوسو میں بیان روشن کر دیں ان کے سامنے تین آدمی گھرے

تھے۔ ایک تو طارق تھا جسے حمید نے اس کی غیر معمولی طور پر چکدار آنکھوں کی بناء پر پہلے ہی

بیچاں لیا تھا۔

دوسرے ایقیناً فریدی تھا لیکن نہ تو اسے حمید پہچاں سکا اور نہ انور۔ ویسے وہ قیاس کہہ سکتے تھے کہ

وہ فریدی ہی ہو گا۔ تیسرا ایک نو خیز لڑکا تھا جس کی عمر بظاہر سو لے سال سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی

تھی۔ ان کے سروں پر نندے کے ہیئت تھے اور جسموں پر ہاتھ کے بنے ہوئے اونی البادے ان

کے جوتے بھی بدوضت اور بے تکم تھے۔

”جو کچھ بھی ہوا بہت بُرا ہوا طارق صاحب۔“ فریدی پھر کے ہڈے ٹکڑے پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”اور اس کی تمام تر ذمہ داری حمید پر ہے۔“ اور بول پڑا۔

”کیوں حمید نے کیا کیا...؟“

”اسی سے پوچھئے...!“

”تو تمہیں بتا دوں...!“ فریدی جھنگھلایا ہوا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ لاکی بن رہی تھی۔“ اور نے کہا۔

”لہذا... یہ حمید کی حرکت ہے...!“ حمید طغیری لبجھ میں بولا۔ ”وہ شیطان بن کراس کے

قابل میں طول کر گیا تھا۔“

”نہیں جتاب۔“ قاسم نے کہا۔ ”وہ تو عرصے سے کہہ رہی تھی کہ میں پاکل ہو جاؤں گی۔“

فریدی کچھ نہ بول۔

حمدید نے سوچا تھا کہ جس وقت میں اپنا یہ کارنامہ فریدی کے سامنے دہراؤں گا تو وہ عش عش

کراچی گا۔ لیکن اب نقشہ بدلتے ذکر کے اس نے خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا۔

”کچھ بھی ہو۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”یہ اچھا نہیں ہوا۔ ابھی تک وہ میری نظر وں

تھوڑی دیر بعد انہوں نے غار کے دہانے پر قدموں کی آوازیں سنیں اور سنجھل کر بیٹھ گئے۔

بھی پوشیدہ رہنا پڑے گا اس لئے وہ بہت زیادہ احتیاط سے کام لیں گے سنگ ہی اور اس کے خاص

آدمی صاف نکل گئے۔ وہ فساد کے دوران میں ہلاک ہوئے اور آٹھ پکڑ لئے گئے ہیں۔ ان

میں قریب قریب سارے آدمی امریکن ہیں۔ سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے۔۔۔ نہ تو کوئی

پکڑا جاسکا۔۔۔ اور نہ مارا ہی گیا۔“

”اور ڈاکٹر...؟“ انور نے پوچھا۔

”وہ بھی نکل گیا۔۔۔ اور سب سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ لاکی کا بال بھی بیکانہ

ہوا کا۔۔۔ وہ اس کے چاروں طرف چنان کی طرح جم گئے تھے۔“

”آخر یہ لاکی ہے کیا بلہ....؟“ حمید بڑھ لیا۔

فریدی نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

”محی دراصل تم لوگوں کی فکر تھی ورنہ سنگ ہی میری نظر وں سے او جھل نہیں ہو سکتا تھا۔“

”لیکن آخر ہمیں اس طرح جھوک دینے کا مقصد کیا تھا....؟“ حمید نے پوچھا۔

”اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ میں ان لوگوں پر نظر رکھ سکوں۔ شاید تم واقعہ نہیں ہو سکو۔“

”محیے سنگ ہی کی ایکیوں کا علم قریب قریب پہلے ہی سے تھا۔“

پھر فریدی نے اپنی اور روزا کی تلسی دوستی کے متعلق سب کچھ دھراتے ہوئے کہا۔ ”محیے

پہلے ہی شبہ ہوا تھا کہ سنگ ہی اور ڈاکٹر شپرڈ مل گئے ہیں۔“

”چلنے مانتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن اگر وہ ہمیں ٹھکانے لگا دیجے تو؟“

”محیے کچھ دنوں بعد صبر آ جاتا۔“ فریدی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور روزا کے علاوہ سب

ہنس پڑے۔

کنگکو چونکہ اردو میں ہو رہی تھی اس لئے وہ بے تعلقانہ انداز میں الگ بیٹھی اور ہر ادھر دیکھ

رہی تھی۔

”اس سوال کا جواب سنجیدگی سے دیجئے۔“ حمید دوسروں کے تھبھیوں کی پرواہ نہ کرتے

ہوئے بولا۔
”سبحیدہ ترین جواب یہ ہے کہ تمہیں زندہ رہنا تو ہے نہیں۔ بھی نہ کبھی مرنا ہی اپنے گا۔“

”چھ تو سہی بتا دیجئے کہ ہم لوگ زندہ کیوں ہیں....؟“
”بے حیائی ہے تمہاری۔“ فریدی بولا اور ایک پار پھر قہقہہ پڑا۔ لیکن حمید نے فریدی کو قتم کے موڈ میں پہلی بار دیکھا تھا۔ بہر حال اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ فریدی سب سامنے اس کے متعلق گفتگو کرنے سے احتراز کر رہا ہے۔

روزابہت زیادہ پریشان نظر آنے لگی تھی۔ اس نے فریدی سے لہذا بتاؤ میں لیا کہ ذیل کی خطرے میں ہیں۔“

”صرف حمید بلکہ انور قاسم بھی اس کی آواز سن کر چونکہ پڑے۔“
”جب میری نظر ان لوگوں پر نہیں پڑیں کہ تو تمہیں مطمئن ہی رہنا چاہئے۔“ فریدی کہا۔ ”گھر را نہیں... سگ ہی اس وقت تک ان کی حفاظت کرے گا جب تک کہ اپنے مقصد کامیاب نہ ہو جائے۔“

اب حمید کا اچھی طرح یقین ہو گیا کہ وہ دوڑا چپڑی ہے اور اپنے بیپ کے لئے فرمدہ ہے اس خیال سے اس کا دل باغ باغ ہو گیا کہ اب بھی ایک خوبصورت لوگی اس کی ہم سفر ہو گی۔ اچانک اس نے طارق سے پوچھا۔ ”کوئی کی زیارت گا کہاں ہے؟“

”کیوں...؟“ طارق اس کی طرف مارٹا۔ ”کیوں اخدا...؟“
”سگ ہی اپنی پارٹی سمیت دیں جانے کے لئے انتقالات کر رہا تھا۔“

”کوئی کی زیارت گا۔“ طارق اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت زیادہ پر جوشی نظر آرہتا تھا مگر جلد ہی پھر پر سکون دکھائی دیئے گے۔ پھر آہستہ سے بیختا ہوا بولا۔ ”میا؟ اس کا علم عام طور

لوگوں کو تھائیں میر امداد ہے کہ ہوٹل والے اس سے واقف تھے؟“

”سب کو علم تھا... اس نے کی درجن بار دار ہمیا کئے تھے۔“
”تب تو ہر گز اور نہیں جا سکتے۔“ طارق نے کہا۔

”کیوں...؟“

”زیارت گا کے راستوں کی گجرائی شروع ہو جائے گی۔ فی الحال یہاں سے ان کا انکھانا ممکن ہے۔“

کچھ دیر کے لئے پھر سکوت طاری ہو گیا۔ ہر شخص اپنے طور پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

”کوئی کی زیارت گا...!“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے طارق کے چہرے پر نظر جما کر

کہا۔ ”اس کی کیا اہمیت ہے؟“

”مشرقی اترائی میں ایک قدیم زیارت گاہ ہے۔ لوگ تقریباً بھی وہاں جاتے ہیں لیکن اس کے

بعد ہی سے ان خطرناک جگنوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ جن کی طرف رجھ کرنے کی بھی ہمت

نہیں پڑتی۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ ٹھوڑی دیر تک پھر خاموش رہی۔

اچانک قاسم نے ایک انگرائی لی اور بھرائی ہوئی آواز میں کچھ بڑا تباہا ہوا روزا کو گھومنے لگا۔

”اب یہ ایک نیا سلسلہ بیدا ہو گیا ہے۔“ فریدی بولا۔ پھر اس نے حمید وغیرہ کو مخاطب کر کے

کہا۔ ”رات تمہیں اسی غار میں بس رکنی پڑے گی۔“

”آپ لوگوں میں سے تو کسی نہ کسی کو یہاں تھہرنا ہی پڑے گا۔“ حمید نے روزا کے چہرے پر

نظر چھاٹے ہوئے کہا۔

”شش...!“ اچانک فریدی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ غالباً یہ خاموش رہنے کا اشارہ تھا۔

وہ چند لمحے کچھ متھرا ہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”کوئی اور ہر آرہا ہے۔“ پھر اس نے ہاتھ کے

چھکے سے دونوں موی شعیں بھجادیں۔

باقی لوگوں نے کسی تمہیر کی آہستہ نہیں سنی تھی۔

حمدید نے اسے فریدی کی وحشت ہی سمجھا تھا۔

لیکن چند ہی لمحات کے بعد اسے اپنا خیال بدال دیا گیا۔ وہ کئی قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔

لیکن چلنے والے بہت دور معلوم ہو رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ قریب ہوئی گیس۔

”خواہ وہ کوئی بھی ہوں ان تینوں کو چھپ جانا چاہئے۔“ طارق نے کہا۔ ”اوہ راہی طرف

ایک کافی گہرائیشیب ہے.... جلدی کرو۔“

فریدی نے تاریچ روشن کر لی اور قاسم، اور اور حمید نشیب میں اتر گئے۔ پھر فریدی نے موی

شعیں دوبارہ روشن کر دیں۔

آنے والے شاید غار کے دہانہ پر رک گئے۔
پھر کسی نے باہر سے حیچ کر کچھ کہا۔ جس کا جواب طارق نے اندر سے دیا۔ لیکن یہ زبردستی کے لئے نبی تھی۔
تین آدمی غار میں داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور یہ سینہیں۔ اس طرح ہانپر ہے تھے جیسے اب تک کوئی درندہ ان کا تعاقب کرتا رہا ہو۔
بانشندے معلوم ہوتے تھے۔ طارق کو دیکھ کر وہ ٹھنک گئے۔

اور پھر فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ اس سے خائف ہوں۔ اس کا احترام کر ہوں۔ وہ تھوڑی دیر تک طارق سے گفتگو کرتے رہے پھر باہر نکل گئے۔
جب قدموں کی آوازیں بہت دور ہو گئیں تو طارق فریدی کی طرف ٹرال
”وہ سنگ اور اس کے ساتھیوں کو علاش کر رہے ہیں۔“
”لیکن.... آپ کے ساتھ ان کا رویہ....!“
”اوہ....!“ طارق مسکرا کر اپنے نولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”یہ سب شکا کی کاکر ہے.... یہاں کے مقامی بانشندے اسے مقدس سمجھتے ہیں۔ اور صرف ان کا نہ ہی پیشوادی اس پاں سکتا ہے.... میں نے انہیں بتایا کہ ہم مسافر ہیں اور سردی سے بچنے کے لئے ہم نے اس غار میں پناہی ہے.... اس پر انہوں نے ہمارا میزبان بننے کی خواہ خالہر کی گئی میں نے انکار کر دیا۔“
”مگر میں حید وغیرہ کے لئے سوچ رہا ہوں.... انہیں کس طرح بچالیا جائے.... سنگ ہی اس پارٹی میں ان کا بھی شمار ہوتا تھا۔“
”میک اپ....!“ طارق بولا۔

شکار اور شکاری

طارق مقامی زبان میں کچھ بڑھا نہ لگا۔
”سنگ! ریو اور رکھ لو....!“ ڈاکٹر شپرڈ نے انگریزی میں کہا۔ ”یہ لوگ بے ضرر قسم کے کسان ہیں.... غالباً شب بسری کے لئے یہاں رکے ہیں، انہیں خوفزدہ کرنے کی بجائے اپناد دگار بناو۔“
پھر اس نے آدمی اپنی اور آدمی انگریزی میں طارق سے گفتگو کرنے کی کوشش کی۔
طارق بے دھڑک اپنی بولے لگا۔
”یہ زبان فریدی بھی سمجھتا تھا۔

طارق نے کہا۔ ”میں کوئی کی زیارت گاہ کا ایک پچاری ہوں۔ میری طرف دشمن کی نگاہ سے دیکھ کر زندہ نہ رہ سکو گے.... تم ہو کون؟“
”ہم مسافر ہیں۔“ شپرڈ بولا۔ ”ہمارے چند دشمن ہمارے تعاقب میں ہیں ان سے بچنے کے لئے ہم یہاں آگئے ہیں۔ ہم آپ کے دشمن نہیں۔ ریو اور اس نے کالا گیا تھا کہ کہیں۔“

تو کیا ہوا.... گوئے دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں آپ کا یہاں موجود رہنا بہت ضروری ہے۔“

پھر فریدی باہر جانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ دو تین آدمی بے تھا شاغر میں گھس آئے۔ وہ ان میں سے ایک نے ریو اور ٹکال کر فریدی وغیرہ کی طرف تاں لیا اور ساتھ ہی اپنے ہوتنوں پر انگلی رکھ لی۔

ریو اور ٹکال نکلنے والا سنگ ہی تھا۔

فریدی نے لفیہ دو آدمیوں کو بھی پیچاں لیا۔

ان میں سے ایک تو ڈاکٹر شپرڈ تھا اور دوسرا بڑی موچھوں والا بھاری بھر کم آدمی۔ جو سنگ ہی کے ساتھ مشرق ہی سے آیا تھا۔ اس کے کاندھے پر یکھا غالباً بیوپوش پڑی تھی۔ فریدی روزا کا ہاتھ تھاے ہوئے تھا۔ اس نے اس کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔
”خبردار.... تمہارا اندراں بالکل بے تعلقانہ ہوتا چاہے۔“

آپ لوگ شورئہ چاہدیں۔

”اچھا یہ بات ہے۔“ فریدی اپنی میں بولا۔ ”تم بالکل پریشان نہ ہو... ابھی ابھی ہم کر دوبارہ ملاقات ہو سکے گی۔

تین آدمیوں کو پناہ دی ہے۔ وہ بالکل گونگے ہیں۔ یا پھر ہم ان کی زبانیں نہیں سمجھ پاتے۔“

”کہاں ہیں...؟“ ڈاکٹر شپرڈ جلدی بولا۔

”ٹھہر و... میں انہیں لاتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور نشیب میں اتر گیا۔

اس کے جاتے ہی ڈاکٹر شپرڈ نے گفتگو کا حصل سنگھی کو انگریزی میں بتادیا۔

طارق اس دوران میں انہیں اس طرح گھورتا رہا ہے۔ وہ دو عدد گونگے آدمیوں کو عجیب کی آوازیں نکلتے سن رہا ہو۔

”تم لوگ انگریزی سمجھتے ہو؟“ دفعتاً ڈاکٹر نے طارق کی طرف مڑ کر اپنی میں سوال کیا۔

طارق نے نقی میں سرہلا دیا۔

ڈاکٹر شپرڈ کے چہرے پر سرت کے آثار ابھر آئے۔ اس نے سنگھی سے انگریزی میں کہا۔ ”قدرت مہربان معلوم ہوتی ہے... اگر اس بوڑھے سے کسی طرح یہ نخلہ حاصل کر جائے تو ساری مشکلیں آسان ہو جائیں۔“

”میں نہیں سمجھا...“ سنگھی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

”یہ مقدس نہ لالہ ہے... اسے یہاں کے مذہبی پیشواؤں کے علاوہ اور کوئی نہیں پال سکتا۔“

بوڑھا بھی کوئی نہ ہی پیشوامعلوم ہوتا ہے۔“

”لیکن مشکلیں کس طرح آسان ہوں گی۔“

”ہم میں سے کوئی ایک یہ نہ لے اپنے ساتھ رکھے گا اور ہم بغیر خوبی کوئی کی زیارت گاہ نکل پہنچ جائیں گے۔“

”محض اس نیولے کی وجہ سے۔“ سنگھی نے تحر آمیز انداز میں پوچھا۔

”ہاں... ہم سب یہاں کے مقامی زائرین کی سی و ضع احتیار کر لیں گے۔ ہم میں نے کوئی ایک نہ ہی پیشوایں جائے گا۔“

”خیال اچھا ہے...!“ سنگھی سرہلا کر رہا گیا۔

فریدی... حمید، انور، قاسم کو ساتھ لے کر واپس آگیا۔

”آخاہ...!“ سنگھی طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”آپ لوگ ہیں۔ مجھے تو قہ نہیں تھی

کہ دوبارہ ملاقات ہو سکے گی۔“

حید نے اس پر یو اور نکالنے کی بڑی اچھی اپنی کی حالات کا اس کے پاس رویا اور نہیں تھا۔

لیکن اس کا ہاتھ جیب میں جانے سے پہلے ہی سنگھی کا یو اور نکل آیا۔

”ہرگز نہیں...!“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”تم اب بھی میرے قبھے میں ہو۔“

حید، انور اور قاسم نے اپنے ہاتھ اور پا اٹھائے۔

”میں نہیں سمجھا یہ کیا معاملہ ہے۔“ طارق اپنی زبان میں بڑھا دیا۔

”اوہ مقدس بزرگ...!“ ڈاکٹر شپرڈ بولا۔ ”یہ ہمارے اونی غلام ہمارے مخالف ہو گئے ہیں۔“

محض اس بات پر کہ ہم کوئی کی عظیم روح سوتا کی خدمت میں حاضری کیلئے جا رہے ہیں۔“

”مگر تم آسمانی نہ ہب کے پروگار معلوم ہوتے ہو۔“

”پھر کیا ہوا... ہم سوتا سے عقیدت رکھتے ہیں... وہ سوتا ہو پھر وہ کی خالق ہے...“

بس لی گود سے چیشے پھوٹتے ہیں... جس نے آگ اگنے والے پھر اپنا سایہ ڈال کر بھیشہ کے

لئے ٹھٹھا کر دیا۔... جس نے آگ کے دیوتا جارس کو اس کے تخت سے کھینچ کر نیچے پھیک دیا

تھا.... ہم اس پر اسے بھینٹ چڑھائیں گے۔“

ڈاکٹر شپرڈ نے بڑی موچھوں والے آدمی کے کاندھے پر پڑی ہوئی یہوش لڑکی کی طرف

اشارة کیا۔

”کیا یہ کچھ ہے...؟“ طارق نے تالی بجا کر کہا اور آسمان کی طرف اپنے ہاتھ جوڑ لے۔

”حقیقت ہے مقدس بزرگ...!“ ڈاکٹر شپرڈ نے کہا۔ ”یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ

جیسا رہنا ہمیں اس طرح غیر متوقع طور پر مل گیا۔“

”تمہارے دشمن ہمارے دشمن ہیں۔“ فریدی بولا۔ پھر حید وغیرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اُن کے لئے جو کچھ کو کیا جائے۔“

”ہم انہیں بھی سوتا جیسی عظیم روح پر قربان کریں گے۔“

”واہ واہ...!“ طارق نے اس بار تین مرتبہ تالی بجائی اور اپنے ہاتھ پہلے ہی کی طرح آسمان

کی طرف اٹھا کر جوڑ لئے۔

فریدی نے اور، حید اور قاسم کی نایاں کھول کر ان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے۔
”ہمارے سدارے پھر موافق معلوم ہوتے ہیں۔“ سگ ہی نے شپرڈ سے انگریزی میں کہا۔ موٹو می ہوں گے۔

”اب تم لوگ آرام سے بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے ان لوگوں سے اتنی میں کہا۔
”ہم تمہاری اچھی طرح حفاظت کریں گے۔“ وہ سب بیٹھ گئے۔

بری موچھوں والے نے لڑکی کو زمین پر لادا۔
”مگر....“ ڈاکٹر شپرڈ سگ ہی کی طرف مڑ کر بولا۔ مگر مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ تیور

انہیں ہمارے متعلق کچھ بتانے دیں۔“

”اوہ.... ناممکن....!“ سگ نے مسکرا کر کہا۔ یہ لوگ اپنی کے علاوہ شاید اور کوئی زبار
نہیں سمجھ سکیں گے.... کیا خیال ہے؟“

”ہے تو ایسا ہی!“ شپرڈ سر ہلا کر بولا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے طارق، بوگا.... وہ ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے.... تمہاری طرف اٹھے ہوئے ہاتھ خٹک ہو جائیں گے۔“

”زمدہ باد.... زندہ باد.... مقدس بزرگ زندہ باد....!“
سگ ہی خاموش بیٹھا ہیو شریکھا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر شپرڈ
سے انہیں اپنے میں کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں بیچہ لوگوں کو بھی ڈھونڈنا چاہئے۔“

”ضرور ضرور....!“ ڈاکٹر شپرڈ بولا۔ ”یہاں تو معاملات حیرت انگیز طور پر طے ہو رہے
کیا ہوا....؟“ طارق نے پر وقار انداز میں آہستہ سے پوچھا۔

”ہم لوگ یہاں ایک ہوٹل میں مقیم تھے.... گاہکلش ہوٹل.... انہیں نے اس لڑکی، میں.... بوڑھا چارڈی ہمیں زیارت گاہ تک پہنچانے کا ذمہ لیتا ہے.... میں نے اس سے کہا ہے کہ
شراب پلا کر دہاں ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس پر یہاں کے لوگوں نے ہمارے آٹھ آٹی پکڑ لئے اور دو جان سے مار دیا.... ہوٹل والوں کو معلوم تھا کہ ہم کوئی کی زیارت گاہ کی طرف جائیں گے۔“

اب آپ جانتے ہیں کہ کیا ہو گا.... وہ لوگ تمام راستوں کی گرانی شروع کر دیں گے.... آہ...
شاید ہم زیارت سے محروم رہ جائیں۔“

”ہرگز نہیں....!“ طارق جوش میں کھڑا ہو گیا۔ ”کوئی کی عظیم روح سیوتا اپنے بچوں،
ماہوس نہیں کرے گی۔“

”کیا ہم سیوتا کے حضور میں حاضر ہو سکیں گے۔“
”ضرور.... قطعی....!“

”لیکن وہ لوگ ہمیں پہنچانتے ہی قتل کر دیں گے۔“

”کوئی کی عظیم روح انہیں انداخت کر دے گی۔“ فریدی بولا۔ ”تمہارے ساتھ مقدس
”ہمارے سدارے پھر موافق معلوم ہوتے ہیں۔“ سگ ہی نے شپرڈ سے انگریزی میں کہا۔ موٹو می ہوں گے۔

طارق کے چہرے پر نہ جانے کہاں کا قدس پھٹ پڑا ہے وہ سر ہلا کر بڑے شاہانہ انداز میں
لہنے لگا۔ ”میرے پنج شاہنہ یہاں کے رسم و رواج سے واقف نہیں ہیں.... خصوصاً انہیں کوئی
لی عظیم روح کی خدمت میں حاضری دیئے کا طریقہ نہیں معلوم....!“

”ہم نہیں سمجھے مقدس بزرگ....!“ ڈاکٹر شپرڈ سنبھل کر بیٹھ گیا۔
”ہزارین اپنے چہرے ڈھانک کر زیارت گاہ تک جاتے ہیں۔ صرف ان کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔“

”مگر مقدس بزرگ.... وہ لوگ چہرے کھلوالیں گے۔“

”ہرگز نہیں....!“ طارق پھر جوش میں آگیا۔ ”تمہارے ساتھ سیوتا کا پچاری.... موٹو می
نہیں سمجھ سکیں گے.... کیا خیال ہے؟“

”ہے تو ایسا ہی!“ شپرڈ سر ہلا کر بولا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے طارق، بوگا.... وہ ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے.... تمہاری طرف اٹھے ہوئے ہاتھ خٹک ہو جائیں گے۔“

”زمدہ باد.... زندہ باد.... مقدس بزرگ زندہ باد....!“
سگ ہی خاموش بیٹھا ہیو شریکھا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر شپرڈ
سے انہیں اپنے میں کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں بیچہ لوگوں کو بھی ڈھونڈنا چاہئے۔“

”ضرور ضرور....!“ ڈاکٹر شپرڈ بولا۔ ”یہاں تو معاملات حیرت انگیز طور پر طے ہو رہے
کیا ہوا....؟“ طارق نے پر وقار انداز میں آہستہ سے پوچھا۔

”ہم لوگ یہاں ایک ہوٹل میں مقیم تھے.... گاہکلش ہوٹل.... انہیں نے اس لڑکی، میں.... بوڑھا چارڈی ہمیں زیارت گاہ تک پہنچانے کا ذمہ لیتا ہے.... میں نے اس سے کہا ہے کہ
شراب پلا کر دہاں ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس پر یہاں کے لوگوں نے ہمارے آٹھ آٹی پکڑ لئے اور دو جان سے مار دیا.... ہوٹل والوں کو معلوم تھا کہ ہم کوئی کی زیارت گاہ کی طرف جائیں گے۔“

”اوہ.... تو کیا وہاں آدمیوں کی قربانی دی جاتی ہے؟“ سگ ہی بوكھلائے ہوئے لیجھ میں بولا۔
”ہاں میرا خیال ہے کہ چوری چھپے اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ ویسے یہاں اسکیوں نے بڑے
شت قوانین ہار کئے ہیں۔“

”تو اسے یقیناً خوشی ہوئی ہو گی۔“
”بہت زیادہ.... اچھا بھیں، اٹھنا چاہئے۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے کہا۔ ”لڑکی اور انہیں سوروں کو
اپنی چھوٹتے ہیں۔“

”ابے.... تو خود سور....!“ قاسم غرا کر بولا۔ اس نے لفظ ”ابے“ اردو میں کہا تھا اور بیتھنے
لماٹا انگریزی میں۔

ایسا یہ وچھ جس میں قدم قدم پر موت سے ملاتات ہو جانے کے امکانات ہوں۔ ہاں اگر تم چاہو تو
میں تمہیں نویارک واپس بھجو سکتا ہوں۔”
”نہیں.... میں واپس نہیں جاؤں گی۔“

حید ایک بھی آہ بھر کر رہا گیا۔ پھر اس نے قاسم سے کہا۔ ”تم بھی تو ذرا ایک آہ بھرنایا۔“
فریدی اسے گھورنے لگا۔ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ اور بدستور خاموش بیٹھا رہا۔
”لیکن حضور!“ حید نے فریدی سے کہا۔ ”ہم کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔“
”صح نک....!“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔
”ہائے.... میرے توہا تھے نوٹے جا رہے ہیں۔“ قاسم کراہ کر زنانہ لجھے میں بولا اور اس پر
انور کو بھی نہیں آگئی۔

”آپ نے تو کہا تھا کہ میں صرف طوق حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“ حید نے کہا۔
”قطی..... میرا باب بھی یہی کھیال ہے۔“ فریدی بولا۔
”تو پھر! سنگ ہی اب قریب قریب آپ کے قبضے میں ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ وہ طوق اس
کے گلے میں پڑا ہوا ہے۔“

”میں جانتا ہوں لیکن طارق خزانے کے لئے مصروف ہو۔“
”لیکن میں طارق کے لئے اپنی گردن نہیں کو سکتا۔“
”تم سب اگر واپس جانا چاہو تو جاسکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ اچھا یکھو شاید وہ ہوش
میں آری ہے۔ خاموش رہو لیکن اسے صحیح حالات کا علم نہ ہونا چاہئے۔ کیا صحیح تم نے اسے
شراب پلائی تھی؟“

”ہرگز نہیں! یہ سو فیصدی جھوٹ ہے۔“ حید بولا۔
ریکھا کا جسم حرکت کر رہا تھا اور پھر وہ یک بیک اٹھ بیٹھی۔ سب سے پہلے اس کی نظر حید پر پڑی۔
”آپ....!“ اس کے ہونٹ کا پر کر رہے گئے۔

”ہاں ریکھا...! سنگ ہی نے ہمیں دوبارہ پکڑ لیا ہے، لیکن وہ اب خود بھی خطرے میں ہے۔
تمہاری پارٹی کے دو آدمی مارے گئے اور آٹھ پکڑ لئے گئے۔ سنگ تمہیں کسی نہ کسی طرح نکال لایا۔“
”مہبت نہ ہو!“ ریکھا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی اور فریدی پر نظر پڑتے ہی یک بیک

”چپ چپ“ جید نے طنزیہ لجھے میں کہا۔ ”اس وقت ان کے ساتھے عروج پر ہیں۔ با۔
خاموش رہو۔ بولنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ ڈاکٹر شپرڈ کی بادات کیے چڑھے کر
”یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟“ طارق نے ڈاکٹر شپرڈ سے اپنی میں پوچھا۔
”اوہ.... یہ مردوں....!“ ڈاکٹر نے دانت پیس کر کہا۔ ”آپ کو اور آپ کے ساتھیوں
گالیاں دے رہے ہیں۔“

”اوہ.... اچھا....!“ طارق سکرا کر بولا۔ ”فکرناہ کرو.... قربان گاہ کے عظیم تینے اور
زبان پاک کر دیں گے.... کوئی کی عظیم روح سب کچھ کو رعنی ہے.... سب دیکھ رعنی ہے۔“
”اچھا مقدس بزرگ! ہم یہ قربانیاں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے اپنے بقیہ ساتھیوں
ٹلاش میں جا رہے ہیں۔“

”کب تک واپس آجائے گے؟“ طارق نے مشغulan لجھے میں پوچھا۔
”صح سے پہلے ہی۔“
”کوئی کی عظیم روح تمہاری حفاظت کرے.... اگر کہو تو میں تمہارے ہمراہ چلوں۔“
”آہ.... بہت بڑا احسان.... مقدس موگنوسی.... تمہارے پاؤں ہماری گردنوں پر
گے.... اے عظیم روح کے عظیم بیٹے۔“
”اچھا تو.... اپنے کبلوں سے اپنا بیس اچھی طن؛ حاکف لو.... چہرہ چھپاو.... کوڑ
عظیم روح تمہاری مدد کرے گی۔“

طارق کھڑا ہو گیا۔ نیلا پھر اس کے کانڈے پر سوار ہو گیا تھا۔
پھر تینوں طارق کے ساتھ باہر نکل گئے۔
ریکھا باب بھی بیویش پڑی تھی۔ ان کے جاتے ہی سب سے پہلے روزابوئی۔
”یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”اب تو بالکل نیک ہو رہا ہے تھی بچ۔“ فریدی اس کا شانہ چھپکا ہوا بولا۔ ”اب اس
میں فریب سے تمہارے باپ کی مگرائی کر سکوں گا۔“
”لیکن یہ کھلیل یہیں کیوں نہیں ختم کر دیتے۔ اس سے طوق چھین لو۔“
”نہیں.... اب میں نے اسکیم بدل دی ہے۔ ایسا وچھ میری سب سے بڑی تفریخ ہے۔“

چوک کر حمید سے پوچھا۔ ”وہ سب کہاں ہیں.... اور ہم۔“
”ہم تو اس غار میں ہیں۔“ قاسم بول پڑا۔ ”اور وہ سالے جنگ مارنے گئے ہیں۔“
فریدی ریکھا کو بہت دلچسپی اور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔
فریدی کے علاوہ اور سب پر غنوگی کا حملہ ہو چکا تھا۔
صحح ہونے سے قبل ہی طارق واپس آگیا۔ اس نے یہ اطلاع دی کہ اب تک سنگ ہی کے
صرف دس آدمی مل کے ہیں۔ پانچ اب بھی غائب ہیں۔

”ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا سنگ کے سارے آدمیوں کو اس
مہم کے مقصد کا علم ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ نہیں۔“ حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور سوتی ہوئی ریکھا کی طرف
اشارہ کر کے پوچھا۔ ”یہ جانتی ہے! ذاکر شپرد جانتا ہے اور وہ بڑی موچھوں والا جو حقیقتاً میلس
کلب کا مالک ہے جسے لوگ عام طور پر کلب کا مالک سمجھتے ہیں وہ اصل میں کلب کا فیجر تھا۔“
”مجھے علم ہے... نریش ہی کلب کا مالک ہے۔“

”ہاں تو یہی تین ہستیاں اس راستے سے واقف ہیں۔“

”ان لوگوں کی روائی کب ہوگی؟“ فریدی نے طارق سے پوچھا۔

”آج... میں نے سارے انتظامات مکمل کرنے ہیں۔“ طارق نے کہا اور اپنے نیولے کی
پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

روانگی

دوسرے دن وہ سب غاری میں چھپے رہے اور طارق روانگی کے انتظامات مکمل کرتا رہا۔
سنگ ہی کے لیے پانچ آدمیوں کا پتہ نہ چل سکا۔ صرف دس آدمی اس کے ساتھیوں میں سے
رہ گئے تھے۔ چاروں خود تھے۔ ذاکر شپرد، نریش، ریکھا اور سنگ ہی۔
حمید، اور اور قاسم کی حیثیت قیدیوں کی سی تھی۔ لیکن اب ان کے ہاتھ کھوں دیے گئے تھے
اور یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ایسے حالات میں وہ خود ہی بھاگنے کی ہمت نہ کر سکیں گے۔
پریکھا بالکل دم بخود تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جاتے میں بھی سور ہی ہو۔ سنگ ہی نے

107
اس سے اس کی حرکت کے بارے میں استفسار بھی کیا، لیکن ریکھا اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہ
دے سکی کہ اسے اس کے متعلق کچھ یاد ہی نہیں۔

سنگ ہی نے پھر مزید سوالات نہیں کئے اور اس کے ساتھ اس کا رد یہ بھی بڑا چھاہا۔
شام تک طارق نے سارے انتظامات مکمل کرنے۔ بار برداری کے لئے جانور اور آدمی بہ
آسانی مل گئے۔ قاسم لا جبوں سا کو دیکھ کر بہت بہت نہ جانے کیوں وہ اسے مخفیہ خیز معلوم
ہو رہے تھے۔

تیری صبح وہ دہاں سے کوئی کی زیارت گاہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان سب نے اون کے لمبے
لباٹے پہنچ رکھے تھے اور ان کے چہرے آنکھوں تک ڈھکے ہوئے تھے۔

طارق سب سے آگے تھا اور صرف اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔
بین آدمیوں کا یہ قافلہ چکردار اسٹوں سے کیتوں کے نشیب میں اتر رہا تھا۔
سفید بادلوں کے نکلوں کے بھی ان کے سروں پر سایہ ڈالتے... اور کبھی آفتاب چکنے لگتا۔
لیکن دھوپ ہو جانے کے باوجود بھی انہیں اپنے چاروں طرف دھند ہی دھند نظر آتی۔

طارق جو جنوبی امریکہ کا بہت پرانا سیاح تھا نہیں ایک ایسے راستے سے لے جا رہا تھا جو صرف
کوئی کے خاص چیزوں کے لئے وقف تھا۔ لیکن انہیں وہاں بھی جگہ جگہ حکومت کے سلح
آدمیوں سے ٹکرانا پڑا۔ خیریت یہ ہوئی کہ ابھی تک انہیں کوئی ایسی ٹوٹی نہیں ملی تھی جس میں
کوئی یورپیں بھی ہوتا۔ یہ سب یہاں کے قدیم باشندے ہی تھے اس لئے طارق کا نیو لا کافی با اثر
ثابت ہوا، اور کسی نے طارق کے پیچھے چلتے ہوئے قافلے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ
سب اسے دیکھ کر احتراماً اپنی گردنیں ہی جھکاتے رہے... روزا کا ہاتھ فریدی کے ہاتھ میں
تھا... اور حمید کے سینے پر سانپ لوث رہے تھے۔

”تھک گئی ہو گئی بیچاری...!“ قاسم نے روزا کی طرف دیکھ کر حمید سے کہا۔

”لدوادوں تمہارے اوپر...؟“ حمید بولا۔

”ارے واہ...!“ قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

”اچھا میں کوشش کروں گا۔“

”نن... نہیں...!“

لاما..... بار برداری کے کام آنے والا ایک جانور جو اونٹ سے کچھ چھوٹا اور بھی گردن والا
ہوتا ہے۔ اونٹ سے وہ صرف اس لئے مختلف ہے کہ اس کے کوہاں نہیں ہوتا۔

دوسری طرف روزا فریدی سے کہہ رہی تھی۔ ”شاید ذیڈی کا ذہنی توازن بگز گیا ہے۔“
”نہیں! ایسا تو نہیں ہے۔“

”آخراں سفر کا نجام کیا ہو گا؟“

”ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔۔۔ جب تھک جاؤ تو بتا دینا۔“

”تواس سے کیا ہو گا۔۔۔ سب ہی پیدل چل رہے ہیں۔“

”نہیں تمہارے لئے انتظام ہو جائے گا۔“

”میں لا ما پر توہر گزندہ نہیں ہوں گی۔۔۔ وہ لڑکی بیچاری شاید تھک گی ہے۔“ روزانے ریکھا کی
”کیا خواب تمہیں کچھ سرتبت نہیں ہے؟“ طرف اشارہ کیا۔

”یہ لڑکی اس نے مجھے عرصہ سے بچھن میں مبتدا کر رکھا ہے۔“

”کیوں؟۔۔۔؟“ روزا چونک کر فریدی کو گھورنے لگی۔

”میں ابھی تک سنگ کی پارٹی میں اس کی موجودگی کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔“

”تم کبھی نہیں سمجھ سکو گے۔“ روزا آہستہ سے بولی۔

”کیوں؟۔۔۔؟“

”کیونکہ یہ ایک لڑکی کا معاملہ ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ دفنا وہ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگتا۔ روزانے اس کی طرف دیکھا
پھر اور کچھ کہنے کی بہت نہ کر سکی۔ وہ ان تھوڑے ہی دنوں میں فریدی کی فطرت سے اچھی طرز
واقف ہو گئی تھی۔

فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ ”تمہیں اس لڑکی کے حالات کا علم نہیں۔ بہت عرصے کی بات ہے
کہ یہ ایک کافی دولت مند آدمی کی سیکریٹری تھی۔ چند خرماں آدمیوں نے اسی کے ہاتھوں اُسے
زہر دلوادیا اور پھر انہوں نے کچھ ایسے حالات پیدا کئے کہ پولیس اس پر شہر بھی نہ کر سکی۔۔۔ بعد
میں اس لڑکی کو ان لوگوں کا غلام بننا پڑا۔۔۔ اور وہ اس سے ذمیل سے ذمیل کام لیئے گلے۔۔۔ پھر،
سنگ ہی کے آدمیوں کے متعلق چڑھ گئی۔۔۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ہوا کیوں؟۔۔۔
سنگ کے ساتھیوں کو اسے حاصل کرنے کے سلسلے میں کافی کشت و خون کا سامنا کرنا پڑا تھا۔“
”عورتوں نے لئے پورے پورے ملک جاہ ہو گئے ہیں۔“ روزا مسکرا کر بولی۔

”تم پر رومان نہیں طرح سوار ہے۔“

”میں نے ہمیشہ بڑے شاندار خواب دیکھے ہیں۔“

”تری بات ہے۔۔۔ جب یہ خواب حقیقتوں سے ٹکر کر ٹوٹتے ہیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔“

”تمہیں اس کا تجربہ ہے؟“

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں نے کبھی خواب نہیں دیکھے۔“

”میں کہتی ہوں۔۔۔ یہ بہت نہیں بات ہے۔۔۔ اگر آدمی ان خوابوں سے بھی محروم

ہو جائے تو پھر زندگی میں رہ ہی کیا جائے گا۔“

”کیا خواب تمہیں کچھ سرتبت نہیں ہے؟“

”میں اپنی اور جھوٹی کے چکر میں نہیں پڑتی۔۔۔ لیکن مجھے خوابوں سے بڑا کون ملتا ہے۔“

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی بات پر حمید اور قاسم لڑپڑے۔ قاسم اس پر جھلا کر جھپٹا ہی
تھا وہ اچھل کر بجا گا۔

”خبردار گولی مار دوں گا۔۔۔ سنگ ہی چیخ کر بولا اور پھر وہ سب ایک جگہ اکٹھا ہو گئے۔“

فریدی قہر آلوں نظرؤں سے حمید کو گھور رہا تھا۔

”میں انہیں ٹھکاتے ہی کیوں نہ لگادوں۔۔۔ سنگ ہی نے ڈاکٹر شپرڈ سے کہا۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔ تم انہیں کوئی کی قربانی کے لئے وقف کر پکھ ہو۔۔۔ اگر تم نے اس کا ارادہ
بھی ظاہر کیا تو معاملات قابو سے باہر ہو جائیں گے۔“

”یہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے۔“

”اوہ۔۔۔ تو انہیں یہاں تک لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔۔۔ میں نے تو دیں کہا تھا۔“

”وہ پھر چلتے گلے۔۔۔

اس بار حمید قاسم کا ساتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔

سنگ ہی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر ڈاکٹر شپرڈ سے بولا۔ ”میں نے یہ جھنجھٹ کھن اسی
لئے کی تھی کہ فریدی کھل کر سامنے آجائے۔۔۔ مگر ابھی تک تواس سے مدد بھیز نہیں ہوئی۔“

”میرا خیال ہے کہ شاید وہ ادھر آنے کی بہت ہی نہ کر سکے۔“ ڈاکٹر شپرڈ بولا۔

”خام خیال ہے۔۔۔ میں ہر ہر سیکنڈ اس کا منتظر ہوں۔“

”یہاں شاید وہ کامیاب نہ ہو سکے۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے کہا۔
سنگ ہی پکھنے بولا۔ اس کی پیشانی پر سنگیں ابھر آئی تھیں۔
”سنودا کثر...!“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنا نہیں سوچا۔“
”کس چیز کے متعلق۔“

”فریدی! میرے سینے میں دل کی جگہ پتھر کا عکڑا ہے.... لیکن... لیکن“ سنگ ہی یک بیدار ہو گیا۔

”تم کچھ کہہ رہے ہے۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے تھوڑی دیر بعد اسے ٹوکا۔

”میں تمہیں ایک رات کا واقعہ سناؤں... میرے آدمیوں نے فریدی پر حملہ کیا وہ تھا؛
لیکن ایک کو جان ہے مار کر صاف نکل گیا اور اسی آدمی کی لاش سے وہ میرے ٹھکانے کو
پہنچا... اگر میں پہلے ہی سے ہوشیداد ہو گیا ہوتا تو...!“

سنگ ہی نے ریکھا کے انوغاء کے واقعات دہرائے اور پھر بولا۔ ”مجھے یقین تھا کہ فریدی کو
نہ کوئی چال ضرور پڑے گا لہذا میں نے وہی کیا جس کی وہ توقع رکھتا تھا۔ اسے بھی یقین تھا کہ یہ
کوئی نہ کوئی آدمی مجھے اس واقعے کی اطلاع ضرور دے گا۔ لہذا میں نے پہلے ہی سے ساری ایسے
مرتباں کرنی۔ میرے ایک آدمی نے لڑکاں جنگل کا رخ کیا اور فریدی اس کا مقابلہ کرنے لگا۔
اس وقت بھی وہ تھا ہی تھا میں جانتے ہو کیا ہوا؟ اس نے میرے آٹھ آدمی ختم کر دیے۔
پورے آٹھ... اور ایک واقعہ تو خود تمہاری نظرؤں سے بھی گذر چکا ہے... اس نے کتنی صد
سے اپنی گردن بچالی... حالانکہ تمہیں پورا یقین تھا کہ وہ دام میں آگیا ہے... آخر تمہاری لڑکا
نے روز اسپرڈ کے نام سے خط و کتاب کیوں کی تھی؟“

”اسے اصل واقعات کا علم نہیں تھا۔“

”لیکن تم تو مقصد سے واقف تھے۔“

”اگر میں کسی دوسرے نام سے خط و کتابت کرنے کی ترغیب دیتا تو وہ اس کا مقصد ضرور پوچھتی۔
”خیر جو ہوا سو ہوا۔ مجھے اب بھی بہتر حالات کی توقع نہیں۔ جب تک فریدی قابو میں
آجائے... ہمیں مطمئن نہ ہونا چاہئے۔“

”چھوڑو... ہٹاؤ... میں بلاوجہ الجھن میں نہیں پڑتا۔“ ڈاکٹر شپرڈ ہاتھ ہلاکر بولا۔

وہ دونوں طارق کے پیچھے تھے۔ طارق ان کی گفتگو صاف سن رہا تھا۔ لیکن اس نے ایک بار بھی
مزکران کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کے چڑھے کا انداز باکل ایک گونگے اور بہرے آدمی کا ساتھ۔
فریدی اور روزا قاتلے کے پیچھے تھے۔ آخری آدمیوں سے ان کا فاصلہ کم از کم سو گز ضرور ہو گا۔
سفید بادلوں کے پرے کے پرے شمال کی طرف اڑائے جا رہے تھے۔ کبھی وہ نکلی چوتھوں
والے سربلک درختوں کے درمیان سے گذرتے ہوئے معلوم ہوتے اور کبھی ایسا لگتا جیسے وہ ان
چوتھوں سے الجھ کر رک گئے ہوں۔ اس وقت ہلکی سی خنکی بہت خوشنگوار معلوم ہو رہی تھی۔

فریدی بہت زیادہ محتاط نظر آرہا تھا۔ اس نے تقریباً پانچ یا چھ گھنٹے سے اپنے مخصوص سگار
نہیں پئے تھے لیکن اس کے باوجود بھی کوئی اس کی ظاہری حالت سے یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس
کے ذہن پر تمباکو کے نشے کی طلب مسلط ہے۔

”میں واقعی تھک گئی ہوں۔“ اچانک روزانے کراہ کر کہا۔
”اچھا میں انتظار کرتا ہوں۔“

”کیا انتظار کرو گے... میں لاما پر ہرگز نہیں بیٹھوں گی۔“

”میں تمہارے لئے ہاتھی مہیا کر دوں گا... وہ دیو کا پچھہ دیکھا ہے تا تم نے! تم اس کی پیشہ پر
سنز کرو گی۔“

”کیا...؟ نہیں ہرگز نہیں۔“

”تو پھر ہاؤ کیا کروں...!“ فریدی جھمحلہ گیا۔ ”میں نے تو کہا تھا کہ واپس چلی جاؤ۔“

”خفا کیوں ہوتے ہو... اب نہ کہوں گی کہ تھک گئی ہوں۔“

”آؤ....!“ فریدی زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”لدو میرے ہی اوپر لدو۔“

”نہیں تھیک ہے... میں چل تو رہی ہوں۔“

”چلو! ورنہ گروں مردُو کر کی کھڑ میں پھیک دوں گا۔“ فریدی نے آنکھیں نکال کر کہا اور
روزانگ پی کا نپ گئی۔ قیل کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

”ڈر گئیں...؟“ فریدی نے اسے اپنی پشت پر سنبھال کر اٹھتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

”دیکھو... فریدی ڈسیریہ کتابوں امعلوم ہوتا ہے... نہیں مجھے نیچے اٹا رہ دو۔“

”تم اس وقت لڑکی نہیں بلکہ لڑکے ہو... ڈبولاڑی کے چھوٹے بھائی پنگ پانگی ہو۔“

جسیں جب رات کے اندر ہیرے میں بھکر رہی تھیں تو تم جانتے ہو کیا ہوا تھا؟

”ہم نہیں جانتے مقدس بزرگ۔“

طارق کے لمحے میں اس وقت عجیب قسم کی عظمت پیدا ہو گئی تھی۔
ڈاکٹر شپرڈ جو اپنی سمجھتا تھا لیکن زبان کے بھوؤ پر قادر نہیں تھا کچھ اس طرح مرعب نظر
رہا تھا جیسے وہ اس کے سامنے ایک نحشا پکھ ہو۔

فضا پر ہلاکسر میں غبار ساطاری تھا۔ فلک یوس چوئیاں سکوت میں ڈوبی کھڑی تھیں اور اس
ہاضم ار سانے میں طارق پانچ سو سالہ پرانی داستان دہرا رہا تھا۔ ڈاکٹر شپرڈ کو ایسا محسوس ہو رہا تھا
اتفاقاً حید نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور نہ اسمنہ بنائے ہوئے پھر قاسم کے ساتھ یہ طارق بھی اسی زمانے کی کوئی بھکنی ہوئی روح ہو۔۔۔ ایسی روح۔۔۔ جو صدہا سال تک ان
مکون میں ڈوبے ہوئے پہاڑوں کے گرد منڈلاتے رہنے کے بعد پہلی بار بولی ہو۔

ڈاکٹر شپرڈ کی نظر اپاٹک ان چوئیوں کی سمت اٹھ گئی جن کی طرف طارق نے اشارہ کیا تھا۔ نہ
جانے کیوں اسے محسوس ہوا جیسے وہ بڑی شکل کی چوئیاں اپنے پیش مفترے سے الگ ہو گئی ہوں۔

شام ہوتے ہی طارق نے ایک کافی کشادہ غارڈ ہوند لیا۔۔۔ پورا قالہ اس میں بہ آسمانی را۔۔۔ طارق کہہ رہا تھا۔

گذار سکتا تھا ایسا معلوم ہوا تھا جیسے طارق اس سر زمین کے چپے چپے سے واقف ہو۔۔۔ ایک روشنی پھوٹی اور انکا قوم کی سر زمین
غار کے باہر جگہ جگہ الاوجل رہے تھے حالانکہ آسمان بادلوں سے ٹھکا ہوا تھا لیکن پھر بھی گہر۔ پرتاہی نازل ہو گئی۔ اس روشنی میں رات نگی ہو گئی تھی۔۔۔ حملہ آور آگے بڑھتے گئے۔۔۔
تاریکی نہیں تھی۔ بادلوں کے پیش مفترے میں دور کے پہاڑوں کی چوئیاں صاف نظر آرہی تھیں۔ خون چاروں طرف خون ہی خون تھا۔۔۔ پھر ایک دبا آئی۔۔۔ سبوتا کے ستاروں کے جھوٹوں پر
طارق، سنگ ہی اور ڈاکٹر شپرڈ غار کے دہانے پر بیٹھے دن بھر کی تحکم دور کر رہے تھے۔ بڑے بڑے آبلے پڑنے لگے جن سے زور دیک کاپیاں بہتا تھا۔۔۔ پھر وہ خونفاک پرندے جن کے
پرے کے پرے شمال کی طرف سے آرے تھے۔۔۔ انہوں نے لاشوں کی طرف رخ بھی نہ

”کل شام تک۔۔۔!“ طارق ایک طرف اپنا داہنہ ہاتھ پھیلا کر بولا۔ ”عظیم سبوتایا۔۔۔ زندہ آدمیوں کی بوئیاں نوپنے لگے۔۔۔ مگر سبوتاتا کا مسکن جیسا تھا ویسا ہی رہا۔۔۔ میں
مسکن۔۔۔ بڑی شکل کی دو چوئیاں دیکھ رہے ہو۔۔۔ یہ مقدس ہلال سبوتاتا کا مسکن ہے۔۔۔ کوئی تھیں اگاہ کرتا ہوں کہ ایک دن پھر ان بڑی چوئیوں سے روشنی پھونٹے گی۔۔۔ رات نگی
عظیم روح تم سفید قام آدمیوں پر مہریاں ہو گئی ہے۔ تم جو اس کی تکذیب کرتے ہو۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔ مقدس بزرگ اس کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔“

طارق خاموش ہو گیا۔

ڈاکٹر شپرڈ کو اپنی سائیں رکی ہوئی سی معلوم ہونے لگیں۔ اس کا سارا جسم کاپ رہا تھا۔
سنگ ہی نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش بھی کی لیکن۔۔۔ ڈاکٹر شپرڈ کے منہ سے آواز تک نہ

روز اہنسنے گی۔

پکھ دی پر بعد اس نے کہا۔ ”اس طرح تم بھی تھک جاؤ گے۔“

”میں تین دن تک تمہیں اسی طرح اٹھائے ہوئے چل سکتا ہوں۔“

”صرف مجھلیا کوئی بھی ہو؟“ روزا نے پوچھا۔

”کوئی بھی ہو! خواہ اس کا وزن تم سے دو گناہو۔“

روزا کو شاید اس جواب سے مایوسی ہوئی تھی۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اس نے ایک طویل سانس لی۔

اتفاقاً حید نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور نہ اسمنہ بنائے ہوئے پھر قاسم کے ساتھ یہ طارق بھی اسی زمانے کی کوئی بھکنی ہوئی روح ہو۔۔۔ ایسی روح۔۔۔ جو صدہا سال تک ان
ساتھ چلتے گا۔

”دیکھا فرزند۔۔۔!“ اس نے قاسم سے کہا۔ ”ورا یچھے دیکھو۔“

قاسم نے پلٹ کر دیکھا اور ہٹنے لگا۔

شام ہوتے ہی طارق نے ایک کافی کشادہ غارڈ ہوند لیا۔۔۔ پورا قالہ اس میں بہ آسمانی را۔۔۔ طارق کہہ رہا تھا۔

”پھر ان مقدس چوئیوں سے ایک چین بلند ہوئی۔۔۔ ایک روشنی پھوٹی اور انکا قوم کی سر زمین
غار کے باہر جگہ جگہ الاوجل رہے تھے حالانکہ آسمان بادلوں سے ٹھکا ہوا تھا لیکن پھر بھی گہر۔ پرتاہی نازل ہو گئی۔ اس روشنی میں رات نگی ہو گئی تھی۔۔۔ حملہ آور آگے بڑھتے گئے۔۔۔
تاریکی نہیں تھی۔ بادلوں کے پیش مفترے میں دور کے پہاڑوں کی چوئیاں صاف نظر آرہی تھیں۔ خون چاروں طرف خون ہی خون تھا۔۔۔ پھر ایک دبا آئی۔۔۔ سبوتاتا کے ستاروں کے جھوٹوں پر
طارق، سنگ ہی اور ڈاکٹر شپرڈ غار کے دہانے پر بیٹھے دن بھر کی تحکم دور کر رہے تھے۔ بڑے بڑے آبلے پڑنے لگے جن سے زور دیک کاپ رہتا تھا۔۔۔ پھر وہ خونفاک پرندے جن کے
”اب ہمیں کتنا در پلانا پڑے گا۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے اپنی میں پوچھا۔

”کل شام تک۔۔۔!“ طارق ایک طرف اپنا داہنہ ہاتھ پھیلا کر بولا۔ ”عظیم سبوتایا۔۔۔ زندہ آدمیوں کی بوئیاں نوپنے لگے۔۔۔ مگر سبوتاتا کا مسکن جیسا تھا ویسا ہی رہا۔۔۔ میں
مسکن۔۔۔ بڑی شکل کی دو چوئیاں دیکھ رہے ہو۔۔۔ یہ مقدس ہلال سبوتاتا کا مسکن ہے۔۔۔ کوئی تھیں اگاہ کرتا ہوں کہ ایک دن پھر ان بڑی چوئیوں سے روشنی پھونٹے گی۔۔۔ رات نگی
عظیم روح تم سفید قام آدمیوں پر مہریاں ہو گئی ہے۔ تم جو اس کی تکذیب کرتے ہو۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔ مقدس بزرگ اس کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔“

”میں خاص طور پر تمہیں نہیں کہہ رہا ہوں۔“ طارق مسکرا کر بولا۔ ”تمہارے پہلے حملہ“

فرانسکو ہزارو کو اندر ہیری رات میں کس نے راستہ دکھلایا تھا کوئی کی عظیم روح اپنے قد

پر ستاروں سے ناخوش ہو گئی تھی اس نے تم سفید آدمیوں کے ہاتھوں انہیں ذلت بخشی۔ ہزارو

نکل سکی۔ راائف اڑگئے

دوسری شام وہ کوئی زیارت گاہ تک پہنچ گئے۔

یہ پھر وہ کی ایک چھوٹی سی ٹوٹی پھوٹی عمارت تھی۔ کچھ حصوں پر اب بھی چھتیں تھیں۔ اس عمارت میں کل نو آدمی تھے جن کی وضع قطع طارق سے ملتی جلتی تھی۔ یہ سب کے مندر کے پچاری تھے۔

طارق کو انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن اس کے ہمراہ غیر ملکیوں کو دیکھ کر انہوں نے جو ظاہر کی۔ طارق نے انہیں سمجھایا کہ وہ سوتا کے عقیدت مند ہیں۔ اس کے باوجود بھی ملکیوں کو عمارت کی چھتوں کے نیچے پناہ نہیں دی گئی۔ انہیں باہر ہی ایک غار میں قیام کرنا پڑا۔ یہ بات فریدی کو پسند نہیں آئی۔ وہ ان لوگوں کو ایک سینٹ کے لئے بھی نظر وہ سے اور نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

”اب کیا کہتے ہو؟“ طارق نے فریدی سے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ رات ہی سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کریں گے لیکن انہیں ایک دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کا کوئی آدمی بھی مقامی زبانوں سے واقف نہیں۔ برداروں کے بغیر یہ سفر کرنے سے رہے۔ صرف تحریر کے سہارے سفر جاری رکھنا ان کے سے باہر ہو گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بار بردار آگے جانے پر رضا مند ہوں گے؟ نہیں۔ کیونکہ وہ ان کی زبان نہیں سمجھ سکیں گے۔“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ طارق نے پوچھا۔

”یہی کہ اگر ہم یہ سفر ساتھ ہی جاری رکھیں تو کیا حرج ہے؟“

”بھلاکی کس طرح ممکن ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم کو صرف یہیں تک آتا تھا۔“

”ہو سکتا ہے... ابھی میں نے جن دشواریوں کا تذکرہ کیا ہے اس کا احساس انہیں ہو گا... پوری پارٹی میں صرف آپ ہی ایک ایسے آدمی ہیں جو مقامی زبانوں سے واقف ہیں۔“

”پھر...؟“

”شہر یے بتاتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور ادھر اور ڈیکھ کر ایک سگار سلاکا لیا۔ اس نے دو دن سے سگار نہیں پیا تھا۔ دو تین گھرے کش لینے کے بعد وہ طارق سے آہستہ کچھ کہنے لگا۔ پھر شاید پندرہ میں منٹ تک ان میں رو دو قدم ہوتی رہی اس کے بعد طارق ہنستا ہوا اس غار کے طرف چلا گیا جہاں سگ ہی وغیرہ مقیم تھے۔

طارق کو غار میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ سب بوکھلا گئے۔ شاید وہ وہاں سے نکل جانے ہی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

طارق انہیں چند لمحے گھوڑا تارہ پھر یک بیک مقامی زبان میں برسنے لگا۔ بار بردار قلی غار کے باہر تھے اور سگ ہی کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اس زبان کو نہیں سمجھتا تھا۔ وہ سب محیر اور خوف زدہ نظر وہ سے طارق کی طرف دیکھتے رہے۔

طارق ایک لمحے کے لئے رکا ہی تھا کہ ڈاکٹر شپرڈ نے ڈرتے ڈرتے اپنی میں کہا۔ ”مقدس بزرگ... ہم یہ زبان نہیں سمجھ سکتے۔“

”تو میں تمہیں سمجھاتا ہوں....!“ طارق بھی اپنی ہی میں گر جا۔ ”تم لوگ جھوٹے ہو۔“ ڈاکٹر شپرڈ سمجھل کر کھڑا ہو گیا۔

”میں نہیں سمجھا مقدس بزرگ...!“

”تم ہرگز اس لڑکی کو قربان نہیں کرو گے.... تم نے جھوٹ کہا تھا۔“

”نہ... نہیں.... قربان کریں گے۔“ ڈاکٹر شپرڈ ہکلا یا۔

”میں اب مزید جھوٹ نہیں سننا چاہتا۔“ طارق نے اپنے خولے کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”ابھی ابھی مراتبے میں میں نے سوتا کے ہر کارے سیوام سے گفتگو کی ہے۔ وہ غلط خبریں نہیں دیتا۔ اس نے بتایا ہے کہ تم ان تینوں قیدیوں کو قربانی کے لئے پیش کر کے لڑکی کو صاف بچالے جانے کی کوشش کرو گے۔“

ڈاکٹر شپرڈ کی ہکلا ہست کا سلسلہ جاری رہتا اگر سگ ہی اسے اپنی طرف مخاطب نہ کر لیتا۔

”کیا کہہ رہا ہے؟“ سگ ہی نے پوچھا۔

ڈاکٹر شپرڈ نے ساری بات دہرا دی۔

”اس زیارت گاہ میں کل کتنے آدمی ہوں گے؟“

”میں نہیں جانتا۔“ ذاکر شپرڈ نے کہا۔

”ہوں گے..... جتنے بھی ہوں.... ہمارے پاس کافی اسلحہ ہے ہم سمجھ لیں گے یہ کم بخوبی گروہ ہوتے ہیں۔ اگر انہیں بیباں ہمارے آنے کا مقصود معلوم ہو گیا تو مصیبت ہی آجائے گی۔“

”تو پھر میں کیا کروں؟“ ذاکر شپرڈ نے بے بی سے کہا۔

”اے تھوڑی دیر کے لئے تال دو..... میں سارا انتظام کے لیتا ہوں۔“

ذاکر شپرڈ نے طارق کی طرف دیکھا جو ایک نالگ پر کھڑا پچھے بدبار ہاتھا۔

”محبے بیتاو کہ تم نے اپنے ساتھی سے کیا گفتگو کی ہے۔“ طارق نے غرا کر کہا۔ ”جھوٹ مر کہنا... اس وقت بھی سوتا کے ہر کارے سیبو بام کی روح میرے ساتھ ہے۔“

”وہ کہہ رہا ہے کہ مقدس بزرگ کو یقین دلا دو کہ لڑکی ضرور قربان کی جائے گی۔“

”جھوٹ... سراسر جھوٹ... سیبو بام کی روح کہہ رہی تھی کہ تم اپنے دھماکے وال تھیاروں سے ہمیں ختم کر دینے کی ایکسیم بنا رہے ہو.... لیکن سوتا کے بیجا دیوں کی قوت سے ن واقع نہیں ہو.... تمہاری رانفلس بیکار ہو جائیں گی سیبو بام کی روح ہر وقت یہرے سر ک گردناچل رہتی ہے۔“

ذاکر شپرڈ کے چہرے پر پیسے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔

”میں کس طرح یقین دلاوں...“ ذاکر شپرڈ نے رومال سے اپنے چہرے کا پیسہ خند کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا تم ذرا میرے ساتھ باہر آؤ۔“

ذاکر شپرڈ نے مزکر سنگ ہی کی طرف دیکھا۔

”کیا بات ہے؟“ سنگ نے پوچھا۔

”محبے اپنے ساتھ بابر لے جانا چاہتا ہے۔“

”میں بھی ساتھ چلوں گا۔“

”یہ بھی میرے ساتھ جانا چاہتا ہے۔“ ذاکر شپرڈ نے کہا۔

”اوہ..... تم سب آؤ... میں تمہیں ذمکرنے کے لئے نہیں لے جا رہا ہوں...!“ طارق نے غصے میں کہا اور غار سے باہر نکل گیا۔ سنگ ہی اور ذاکر شپرڈ نے بھی اس کی تقسیم کی۔

طارق پلٹے پلٹے ایک جگہ رک گیا۔

سنگ کا ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے ریو اور پر تھا۔

”سیبو بام کی روح کیا کہہ رہی ہے.... بتاؤں تمہیں....؟“ طارق نے ذاکر شپرڈ سے کہا۔

ڈاکر شپرڈ پکھنے بولا۔

طارق نے مسکرا کر کہا۔ ”وہ کہہ رہی ہے کہ تمہاری منزل کوئی کی زیارت گاہ نہیں ہے...“

تم آگے جاؤ گے۔“

”ہم کہاں جائیں گے؟“ ذاکر شپرڈ نے تیزی سے پوچھا۔

”تم جہاں بھی جاؤ گے ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔“

”میا کہہ رہا ہے؟“ سنگ ہی نے پوچھا۔

ڈاکر شپرڈ نے گفتگو انگریزی میں دہرا دی۔

”تم اسے باتوں میں لگائے رہو۔“ سنگ ہی نے کہا۔ ”میں سب ٹھیک کئے لیتا ہوں۔“

پھر وہ تیز قدموں سے چلا ہوا غار کی طرف واپس آگیا۔ سامان کے ساتھ اسلحہ جات کے

صندوق بھی باہر ہی پڑے ہوئے تھے۔ سنگ ہی نے صندوق کھول کر ایک ایسی راکفل نکالی جس

میں سائیلنٹ لگا ہوا تھا۔ پھر وہ اسے ہاتھ میں لئے ہوئے جھکا جھکا چنانچاںوں کی اوٹ میں چلے لگا۔ ایک

جگہ رک کر اس نے اورہر نظر ڈالی جہاں طارق اور ڈاکر شپرڈ کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔

اندھیرا ضرور تھا مگر تاروں بھرے آسمان کے پیش مظہر میں ان کے جسم صاف دکھائی دے رہے

تھے.... اور طارق.... اسے پہچان لینا تو بالکل ہی آسان تھا کیونکہ نیلااب بھی اس کے کاندھے

پر سوار تھا۔ سنگ ہی نے اورہر دیکھ کر راکفل سیدھی کرنی ہی چاہی تھی کہ وہ اس کے ہاتھ

سے نکل کر فضا میں اچھل گئی اور پھر ان سے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اڑتی ہوئی بیکار تاریکیوں میں گم

ہو گئی ہو۔

سنگ ہی اچھل کر پچھے ہٹ گیا۔ اس نے راکفل گرنے کی آواز نہیں سنی۔

وہ ذرپوک نہیں تھا لیکن اس واقعے پر اسے اپنے جسم کے رو ٹکھے کھڑے ہوتے ہوئے

محسوس ہوئے۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا.... اس کے جسم کے منامت سے پیسہ ابل پڑا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ سر پت غار کی طرف بھاگ رہا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ غار میں داخل ہوا

اس پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔ کیونکہ یہاں حمید انور اور قاسم کی حکمرانی تھی۔ انہوں نے سنگ کے دسوں ساتھیوں کو باندھ لیا تھا۔ سنگ ہی یہ ماجرا دیکھ کر پلٹا ہی تھا کہ انور نے اپنے روی والوں رخ اس کی طرف کر دیا۔

”خبردار... اگر تم نے ذرہ بھی حرکت کی تو... وہیں کھڑے رہو اور اپنے دونوں ہاتھ پر اٹھاؤ۔ ٹھیک...!“

ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر شپرڈ بھی غار میں داخل ہوا اور اس کے منہ سے ایک تحریر آیا۔

”نکلی... انور نے اپنے بھی ہاتھ پر اٹھایتے کو کہا۔

”خدائی قسم...!“ شپرڈ اپنے ہاتھ اٹھاتا ہوا بڑا بڑا۔ ”وہ بوڑھا حق مجھے جادوگر معلوم ہوتا ہے۔

”قاسم انہیں بھی باندھ لو...!“ انور بولا۔

قاسم رسی لیکر ان کی طرف بڑھا لیکن ابھی ان کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ طارق غار میں داخل ہوا۔ طارق نے یہاں کی کیفیت دیکھ کر ایک چھتتا ہوا ساق قہقہہ لگایا۔

”خبردار... تم بھی ہاتھ اٹھاؤ۔“ انور گرد جلا۔

اس پر طارق نے بلند آواز میں پکھ بڑا ناشردی کر دیا۔ انور اور حمید کے روی اور آہستہ آہستہ پیچے جھکنے لگے اور پھر زمین پر گر گئے۔ قاسم کے منہ سے ایک خوفزدہ سی آواز نکلی... اور اچھل کر انور اور حمید کے پیچھے جا چھپا۔

طارق نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور ڈاکٹر شپرڈ سے بولا۔ ”اگر میں نہ ہوتا تو تم لوگ اس وقت کہاں ہوتے۔“

سنگ ہی انور وغیرہ کی طرف لپکا۔

”زو کو... اسے... کیا کرتا ہے۔“ طارق غریباً۔

ڈاکٹر شپرڈ نے جھپٹ کر سنگ ہی کو پکڑ لیا اور بوكھلائے ہوئے لجھے میں بولا۔ ”سنگ... کر رہے ہو... شہر جاؤ... بوڑھا جو پکھ کہے اس پر عمل کرو۔“

”کیوں...؟“ سنگ ہی جھلا کر پلٹا۔

”اوہ... اس وقت اسی نے مجھے اطلاع دی تھی۔ اچانک گفتگو کرتے کرتے اس نے مجھ کہا تھا فوراً جاؤ تھا رے ساتھی خطرے میں ہیں اور یہاں آکر حق مجھ میں نے سیبی دیکھا۔“

سنگ ہی آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر طارق کو دیکھنے لگا۔

”اوہ یہ تمہارا ساتھی...!“ طارق نے تیخ بھنی کے ساتھ کہا۔ ”اس نے تھوڑی دیر قبل مجھے

انپی بے آواز را تقلیل سے مار دانا چاہا تھا۔ اسی وقت جب ہم تم گفتگو کر رہے تھے۔ اس سے پوچھو

کر وہ را تقلیل کہاں گئی؟“

ڈاکٹر شپرڈ نے حرمت سے سنگ ہی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”کیا یہ صحیح ہے؟“

”کیا پوچھ رہا ہے؟“ سنگ بولا۔

”کیا تم نے کچھ دیر پہلے اس پر گولی چلانے کا قصد کیا تھا؟“

”ہاں یہ صحیح ہے۔“

”وہ طنزیہ لجھ میں پوچھ رہا ہے کہ را تقلیل کہاں گئی؟“

”میرے خدا...!“ سنگ ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر اکٹائے ہوئے انداز

میں بولا۔ ”ڈاکٹر ہم حق مجھ کی شیطانی چکر میں پھنس گئے ہیں۔ را تقلیل میرے ہاتھ سے نکل کر

سیدھی انسان کی طرف چلی گئی تھی۔“

”اڑے باپ رے۔“ قاسم کے منہ سے ڈری ڈری آواز نکلی۔ حمید اور انور آنکھیں بند کئے

بے جان جھوموں کی طرح کھڑے رہے۔ ان کے روی والوں کے پیروں کے پاس پڑے تھے۔

دفعہ اس ڈاکٹر شپرڈ نے طارق سے کہا۔ ”مقدس بزرگ! یہ اپنی حرکت پر نادم ہے اور اب پوری

طرح آپ کی قوتیں پر ایمان لے آیا ہے۔“

”میں اسے نہیں مانتا۔ اسے یہ بات اپنے اعمال سے ثابت کرنی ہو گی۔ میں تمہیں بتاؤں...“

ابھی تمہارا ایک خطرناک دشمن تمہاری تاک میں ہے اور وہ ابھی تک کھل کر تمہارے نامنے

نہیں آیا۔ اگر تم نے میری تجویزیوں پر عمل نہ کیا تو پچھتا ہو گے... میں جا رہا ہوں... ان

تیوں کو گرفتار کرو۔ جان سے مارنے کی ضرورت نہیں... یہ بڑے نمرے وقت ہمارے کام

آئیں گے۔“

پھر طارق ڈاکٹر شپرڈ کے جواب کا انتظار کئے بغیر غار سے باہر نکل گیا۔

حمدید اور انور اب بھی اسی طرح کھڑے تھے... اور قاسم زمین پر اندھا پڑا ہوا تھا۔

حمدید، قاسم اور انور دوبارہ باندھ لئے گئے۔ سنگ اور شپرڈ اپنے ساتھیوں کو کھول رہے تھے

لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آرہتا کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں.... خاص طور پر انہیں اور اس کے ساتھیوں کی حالت پر حیرت تھی۔ وہ بالکل بے جان نظر آرہے تھے.... ایسا ہوا تھا جیسے ان میں ہٹے جلنے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔

”سنونگ....!“ شپڑ کرہ کر میٹھتا ہوا بولا۔ ”جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اس پر سمجھ دو گوئے کرو۔... ہاں پہلے یہ بتاؤ کہ رائل کا کیا معاملہ تھا....؟“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسے ہوا۔ میں چاہتا کہ بے آواز رائل سے اس شیطان کردوں۔ لیکن اچاک رائل میرے ہاتھ سے نکل کر آسمان کی طرف چل گئی۔“

”اب تم ایسی حرکت نہیں کرو گے.... سمجھے.... تم نہیں جانتے کہ حالات کیا ہیں۔ بوڑھا ہمارے اور ہمارے مقاصد کے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔ وہ میر اسرار قتوں کا مالک ہے کہتا ہے کہ اس خزانے کے متعلق سینہ بیسہ ایک پیشگوئی چل آرہی ہے جس کی رو سے خزانہ کی مدد کے بغیر نہیں مل سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تقدیر تھی کہ ہم کیتوں کے اس غار میں ملیں۔“ غار میں دراصل ہمارا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق پیشین گوئی یہ ہے کہ حاصل کرنے والی پارٹی کے بڑے ارکان میں سے ایک دو گلزارہ نسل کا آدمی ہو گا اور دوسرا سفید فام.... اور ان کی قیادت سیوتا کا ایک پیچاری کرے گا۔... وہ کہتا ہے کہ میری مدد کے تم لوگ ہاں پہنچ ہی نہ سکو گے۔“

”یہ تو چھا نہیں ہوا۔“ سنگ ہی بڑا لیا۔ ”دیکھو سنگ! ٹھنڈے دماغ سے غور کرو.... اور اس بوڑھے کے خلافت ہمارے دل جتنے بھی خیالات ہیں انہیں نکال پھیکلو۔... وہ سب کچھ جانتا ہے۔“

”تب تو پھر وہ اس جگہ کے متعلق بھی جانتا ہو گا جہاں خزانہ ہے۔“ ”ہو سکتا ہے.... لیکن وہ مقدر بتاتا ہے.... کہتا ہے کہ خزانے کے حصوں کے لئے یہ ہو چکی ہے کہ سفید اور زرد آدمیوں کے ساتھ موگومی بھی ہو.... نہ اکیلا موگومی خزانے پہنچ سکتا ہے نہ ہم دونوں۔“

”افوس کہ مجھے اپنی نہیں آتی ورنہ میں اس سے گفتگو کرتا۔“ سنگ ہی نے کہا۔ ”میں چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ہم کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والے ہیں۔“

”ظاہر ہے کہ اب ہم ایسے جنگلوں میں داخل ہوں گے جہاں آج تک کسی کے قدم نہیں پہنچا اور ہم وہاں اس طرح نہ چلیں گے جیسے اپنے پائیں باغ میں ٹہل رہے ہوں.... بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ایک ایسا آدمی بھی چاہئے جو ان اطراف سے اچھی طرح واقف ہو۔... اور یہاں کی مختلف زبانوں پر قدرت رکھتا ہو۔“

”تو کیا تمہیں اس کی باتوں پر یقین ہے۔“

”میں کیا تمہیں یقین نہیں آیا جبکہ تمہارے ہاتھوں سے رائل اس طرح نکل چکی ہے۔“ سنگ ہی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اس کے ساتھ کتنے آدمی ہوں گے۔“ ”بس اتنے ہی جتنے یہاں تک ساتھ آئے تھے۔“

”میں تیار ہوں۔“ سنگ ہی ایک طویل سانس لی کر بولا۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

جنگ اور گرفتاری

دوسرے ہی دن قافلہ آگے بڑھا۔ فریدی اور روزا قافلہ کے پیچھے تھے۔ طارق پھر میر کاروں بن گیا تھا لیکن اس بار اس کے دابنے اور بائیں سنگ اور شپڑ تھے۔ حمید، قاسم اور انور بدستور قیدیوں کی حیثیت میں تھے۔

سنگ ہی خاموش تھا۔ روایگی کے وقت سے وہ اب تک بولا نہیں تھا۔ ڈاکٹر شپڑ نے کئی بار اسے مخاطب کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ دوپہر تک وہ ایک الیک جگ۔ پہنچ گئے جہاں سے انہیں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مست کا تعین کرنا تھا۔ ڈاکٹر شپڑ نے طارق کی طرف دیکھا لیکن طارق بے تعلقانہ انداز میں کھڑا رہا۔

”اب آپ ہی ہماری رہنمائی کیجئے۔“ ڈاکٹر شپڑ نے طارق سے کہا۔

”ٹھہر وو....!“ طارق ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں سیلہ بام کی روح سے رجوع کرتا ہوں۔“

وہ آنکھیں بند کر کے ایک پیر پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹ مل رہے تھے اور آنکھوں کے پوچھے کاٹ رہے تھے۔ فریدی قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے اس موقع کے لئے طارق کو ہدایات نہیں دی تھیں۔ اس نے سوچا معلوم نہیں اس سلسلے میں طارق کا جواب کیا ہو۔ لہذا اس نے

”یہ سب معلوم کر کے کیا کرو گی۔“ فریدی اکٹائے ہوئے انداز میں بولا۔ روزا چند لمحے کافی کے برتن پر نظر جائے رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ”ہم دوست ہیں تا تم اسے مانتے ہو۔“

”تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“

”پچھے نہیں...!“ روزا مسکرا کر بولی۔ ”جس کی زندگی میں سانحہ ستر کتے داخل ہوں اسے تو کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی ہوگی... لہذا...!“

”نہہرہ...!“ اچانک فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ مژ کر اپنے پیچھے بکھری ہوئی چٹانوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے اٹھ کر ادھر چھپنا۔ لیکن اگر وہ ذرا ساتر چجانہ ہو گیا ہوتا تو چٹانوں کے پیچھے سے ہونے والے فائز نے دوسری دنیا کی سیر کراؤ ہوتی... دوسرا فائز ہوا اور فریدی چٹانوں کی طرف جانے کے بجائے ادھر بھاگا جہاں قافلے کے دوسرے لوگ دوپھر کے کھانے کے بعد اوپھر رہے تھے۔

”طارق ہوشیار...!“ اس نے لنگواجر ال میں کہا۔ ”سگ ہوشیار ہو گیا ہے... میگرین پر بقشہ کرلو... میرے نئیوں ساتھیوں کو بھی خبردار کردو... شپرڈ نکل کر نہ جانے پائے... مزدوروں کو اپنے کنٹرول میں رکھو۔“

سگ ہی اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ فریدی نے پھر ادھر ہی کارخ کیا روزا اس کے پیچھے بھاگتی پھر رہی تھی۔

”تم وہیں واپس جاؤ۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں! میرے پاس ریوالور ہے۔“

”بھاگ جاؤ...!“ فریدی جھلا کر بولا اور چٹانوں میں کو دگیا۔ اس بارہ پھر بال بال بچا۔ گولی سننا تی ہوئی اس کے دامنے بازو اور پہلو کے درمیان سے نکل گئی۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی سگ ہی نے دوسرا فائز کر دیا۔ فریدی کے منہ سے ایک قسم کی چیخ نکلی اور گر کر تشیب میں لا رکنے لگا۔ سگ ہی دوچٹانوں کی درمیانی دراثا سے نکل کر ان کی طرف چھپنا۔

روزانے فریدی کی چیخ سنی تھی اور وہ ابھی تک وہیں کھڑی ہوئی تھی جہاں فریدی اسے چھوڑ گیا تھا۔ فریدی کی چیخ سننے ہی وہ بے تحاشہ چٹانوں کی طرف دوڑی اور پھر اس نے تشیب میں

دوسرے ہی لمحے میں روزا کو لنگواجر ال میں مخاطب کیا۔ مخاطب تو دراصل طارق ہی سے تھا۔ فریدی کو یقین تھا کہ پوری پارٹی میں طارق کے علاوہ اور کوئی اسے نہ سمجھ سکے گا۔ اس نے کہا ”کہہ دو کہ اب اس وقت اسی جگہ قیام کرو... مل صح تھیں راستہ معلوم ہو جائے گا... رون پہی کہہ رہی ہے۔“

روزا بڑی ذہین لڑکی تھی۔ اس نے اس انداز میں سرہلا دیا جیسے اس نے فریدی کی بات کو جواب اثبات میں دیا ہو۔

طارق نے تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں اور فریدی کے بکھرے ہوئے الفاظ اپنی میں دہراتے۔ شپرڈ نے یہ بات سگ ہی کو بتائی اور وہ اور زیادہ منتظر نظر آنے لگا۔ لیکن پچھے بولا نہیں۔

ابھی گھنے جنگلوں کا سلسلہ نہیں شروع ہوا تھا انہیں جلد ہی ایک ایسی جگہ مل گئی جہاں وہ با آسانی قیام کر سکتے تھے۔

دوپھر کا کھانا کھاینے کے بعد روزا نے اشود پر کافی کا برتن رکھ دیا وہ اور فریدی سب سے الگ تھلک بیٹھے ہوئے تھا۔

”رات تم نے اس کی رائفل کیسے اڑائی تھی؟“ روزا نے نہیں کر پوچھا۔

”بس باتھ کی صفائی۔“

”لیکن آخر تھام پس ساتھیوں کی درگت کیوں بنوار ہے ہو؟“

”وہ بہت آرام سے ہیں۔“

”اچھا یہ بتاؤ تمہاری زندگی میں بھاگ دوڑ کے علاوہ بھی اور پچھے ہے؟“

”ہاں سانحہ ستر کتے بھی ہیں۔“ فریدی ننکے سے اپنے دانت کریدتا ہوا بولا۔

”تم عجیب آدمی ہو۔ میں نے تمہارے بچوں کے متعلق پوچھا تھا۔“

”ہیں ہی نہیں بتاؤں کیا۔“

”یوہی بھی نہیں؟“

”نہیں.... نہیں.... نہیں.... ذرا جلدی سے کافی دو۔“ فریدی ران پر باتھ بار کر بولا۔

”اگر ہوتے تو کیا فائدہ ہوتا.... نہیں ہیں تو کون سا نقصان ہوا جا رہا ہے۔“

”کیا تمہاری زندگی میں اب تک کوئی عورت نہیں داخل ہوئی۔“

بھاگتے ہوئے آدمی پر فائز کر دیا گولی نشانہ پر نہیں بیٹھی۔ سنگ ہی ایک گندی گالی دے کر پلانا دیا نوں کی طرح اس نے روزا پر پے درپے تین فائز کر دیئے لیکن ساری گولیاں سامنے و چنانوں پڑپڑیں.... روزا اپنا نشانہ خطا ہوتے دیکھ کر پہلے ہی ہوشیار ہو گئی تھی۔ ایسے موقع پر سنگ ہی کو چاہئے تھا کہ وہ بھی اپنی حفاظت کی تدبیر کرتا لیکن وہ پاگلوں طرح بڑے بڑے پتھروں کو پھلا لگاتا ہوا نشیب میں بھاگ رہا تھا۔

یک بیک ایک طرف سے اس نے ٹھوکر کھائی اور پھر منہ کے بل زمین پر گرنے کی بجائے کئی فٹ اوپر اچھل گیا۔ اس کی دونوں پنڈلیاں فریدی کی فولادی گرفت میں تھیں اور اس کا سری جھوٹ رہا تھا.... لیکن وہ دوسرے ہی لمحے کی سانپ کے سر کی طرح دھڑ سیست اور اٹھتا چلا گی سنگ ہی کو اس کے جانے والے محض اسی صلاحیت کی بناء پر جو نک سے تنبیہ دیتے تھے۔ اب جسم کو حیرت انگیز طور پر توڑنے مڑوڑنے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ فریدی کی گردن اس کے بازوؤں میں جکڑ کرہ گئی۔

”اچھا بیٹے۔“ فریدی اس کی ٹانگیں چیرتا ہوا بولا۔ ”آج تم یہ حرابة مجھ پر بھی آزماؤ۔“ سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی کی گردن پر اپنی گرفت صرف کر رہا تھا.... اچانک فریدی اسی محروس ہونے لگا جیسے بچھیں اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ وہ اس کی پنڈلیاں چھوڑ کر اپنی گردن۔ اس کے بازوؤں کی گرفت ڈھیل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

دونوں ٹانگیں بھی فریدی کے گرد لپٹ گئیں۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی بند کے پیٹ سے اس کا اچھے چپک کر رہا گیا ہو۔ فریدی تھوڑی دیر مک زور لگاتا رہا لیکن سنگ و گرفت ڈھیلی نہ ہوئی۔ آخر کار اس نے اس کے سر کے پشت کے نچلے حصے میں اپنی انگلیاں دیں۔ سنگ ہی پہلے تو ضبط کر تراہا لیکن پھر اس کے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکل اور وہ فریدی کے جسم سے علیحدہ ہو کر کسی مردہ چھپکی کی طرح نیچے چلا آیا۔

وہ بیویوں ہو گیا تھا۔ فریدی نے ساختہ اس پر جھک پڑا اور اس کی گردن ٹنول رہا تھا۔ پھر نے اس کی جامہ ملاشی لی۔ لیکن انکا نسل کی شہزادی کا پراسرار طوق اس کے پاس سے برآمدہ۔ دوسری طرف طارق اپنا سلطنت ہماچکا تھا۔ سنگ ہی کے ساتھی جکڑ لئے گئے تھے۔ طارق بار بردار مزدوروں کو پہلے ہی سے اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ ان کی وجہ سے سنگ کے ساتھیں

تابوپانے میں اور زیادہ آسانیاں ہو گئی تھیں۔

ڈاکٹر شپرڈر رہ رہ کر سپوتا اور اس کے ہر کارے سیلو بام کی دہائیاں دے رہا تھا۔ روزا سنگ ہی اور فریدی کو ایک دوسرے سے گھاہواد کیجھ کر ان کی طرف بھاگی تھی۔ ”کیپٹن حمید۔“ اس نے چیخ کر کہا۔ ”دوزو.... ادھر....!“

انور، حمید اور قاسم بے تھاشا چنانوں کی طرف دوڑنے لگے روزا ابھی ان کے ساتھی تھی۔ انہوں نے فریدی کو دیکھا جو ایک پتھر پر بیٹھا اپنادیاں بازو دیکھ رہا تھا اور اس کی آستین خون سے تر تھی۔ شاید اب اسے احساس ہوا تھا کہ اس کا ایک بازو سنگ ہی کی گولی سے زخم ہو چکا ہے۔ سنگ ہی اس کے بیرون کے پاس اوندھا پڑا اگھری گھری سانپیں لے رہا تھا۔ ”میا تم زخمی ہو۔“ روزا اچھے کبر فریدی پر جھک پڑی۔ ”فکر نہ کرو.... میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم نے بیویوں سنگ ہی کو ہاتھوں پر اٹھایا اور وہ سب کیمپ کی طرف چل پڑے۔ ”اب ڈینی کا کیا ہو گا....؟“ روزانے فریدی سے پوچھا۔ ”اوہ! تم نے اچھا یاد دلایا.... دیکھوا بھی یہ بات ڈاکٹر پر ظاہر نہ ہوئے پائے کہ تم روزا سمجھیں۔“ ”کیوں....؟“ ”پھر بتاؤں گا.... اس وقت مجھ سے بحث نہ کرو۔ جو کہوں کرتی جاؤ۔“ ”اوہ! معاف کرنا.... مجھے تمہارے زخم کا نیال نہیں تھا۔“ ”کوئی خاص بات نہیں.... صرف بازو کی کھال پھٹی ہے۔“ تھوڑی دیر بعد سنگ ہی باہوں حواس اپنے دوسرے ساتھیوں کے درمیان میں بیٹھا ہوا فریدی کو قہر آلوں نظروں سے گھور رہا تھا۔

”طوق کہاں ہے؟“ فریدی نے اس سے پوچھا۔ ”میں نہیں جانتا۔“ ”میں نہیں جانتا۔“ ”جودل چاہے کرو.... طوق تمہیں نہیں مل سکتا۔“

ہے۔ اسکی قوت ارادی صفر کے برابر ہے ایک بہت معمولی ساڑا نس اس کیلئے کافی ہو گا۔ مگر یہ سُنگ
ہی...؟ اس سے پٹناہیرے بس کاروگ نہیں... یہ ذہنی طور پر بہت زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔
”اسے تو میرے گھونسوں اور پتھروں کے لئے چھوڑ دیجئے۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔“
روز اکے قریب آجائے پر وہ دونوں خاموش ہو گے۔

وہ رات بڑی عجیب تھی۔ جنگل کے ساتھ میں سُنگ ہی کے ساتھیوں کی گالیاں گونج رہی
تھیں۔ پوری پارٹی میں صرف ڈاکٹر شپرڈ ایسا تھا جس کے ہاتھ نہیں باندھ گئے تھے اور ریکھا بھی
آزاد تھی۔ لیکن وہ ہر وقت خاموش رہتی تھی... ہوٹل والے واقعہ کے بعد سے کسی نے اسے
بولنے نہیں شاہکا۔ روزا دوپہر کے بدلتے ہوئے حالات کے بعد سے زیادہ تر ڈاکٹر شپرڈ کے
قریب ہی قریب رہتی تھی۔ لیکن اس نے اس پر اپنی اصلیت نہیں ظاہر کی تھی۔ رات گئے اسے
ڈاکٹر شپرڈ سے الگ ہوتا پا کیونکہ طارق اس پر عمل توبیم کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر شپرڈ
اس اسکیم سے واقف نہیں تھا۔ جب طارق نے اس سے کہا ذرا امیری طرف دیکھنا تو شپرڈ یہ ظاہر
کرنے کے لئے کہ وہ اس سے مرعوب نہیں ہے اسے کھا جانے والی نظریوں سے دیکھنے لگا۔ لیکن
دوسرے ہی لمحے میں اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے جسم کی ساری قوت طارق کی
آنکھوں میں کھینچی جا رہی ہو۔ اس نے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کی لیکن طارق کی آنکھوں
سے نظر ہٹانے میں کامیاب نہ ہوا۔ اس کے حواس غمہ جواب دیتے جا رہے تھے۔ طارق کی آواز
اسے میلوں دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ جو برابر کہے جا رہا تھا ”تم سور ہے ہو...“ تھہاری
نیند گہری تو ہوتی جا رہی ہے.... اور گہری ہوتی جا رہی ہے.... تم مجھے خزانے تک پہنچنے کا راستہ تباہ
گے.... یقیناً تباہ گے.... دنیا کی کوئی قوت تمہیں اس سے نہیں روک سکتی.... تم سور ہے
ہو.... تم سور ہے ہو۔“

شپرڈ بہت جلد ڈرائنس سے میں آگیا۔ زیادہ دیر تک ہیکیشنز پاپائز نہیں دینے پڑے۔ وہ آنکھیں
بند کئے زمین پر چلتا تھا۔ بھر طارق نے سوالات کرنے شروع کئے۔ شپرڈ جواب میں اس طرح
بڑی ارہاتا ہے خواب میں کسی سے گفتگو کر رہا ہو۔

جس غار میں عمل کیا گیا تھا وہاں فریدی، طارق اور شپرڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ چار
موی شمعیں بھی غار کا اندر ہیروں نہیں کر سکتی تھیں۔ کچھ عجیب سائیہ اسرار ماحول تھا۔ فریدی سر
یہ سب پہنچنے کی احتیکی اصطلاحات ہیں۔ ان کی توجیح کے لئے صفات سیاہ کرنا ضروری ہے۔

گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی اور ڈاکٹر شپرڈ سُنگ ہی کو تھیں آئیں نظریوں سے دیکھ رہا تھا
اس دوران میں اسے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ وہ اور اسکے آدمی اب فریدی کے قبضے میں ہیں۔
”طوق کے بغیر تم خزانہ نہیں حاصل کر سکتے۔“ ڈاکٹر شپرڈ فریدی سے بولا۔ ”اس کے
طوق ضروری ہے۔“

”دیکھو ڈاکٹر احمد نہ بخو...!“ فریدی نرم لیچے میں بولا۔ ”تم نے ایک ایسے آدمی سے
جوڑ کیا ہے جو پہلے بھی تھہارا دشمن تھا اور اب بھی ہے۔“

”تم اس کی پروانہ کرو۔“ ڈاکٹر نے اسامنہ بنا کر بولا۔ ”میں اپنے حالات سے بخوبی واقف ہوں۔
”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خزانے تک ہماری رہنمائی نہیں کرو گے۔“ فریدی نے کہا۔
”ہرگز نہیں خواہ تم میری بوٹیاں ہی کیوں نہ اڑاو۔“

”زندہ باد ڈاکٹر...!“ سُنگ ہی بولا۔ ”میں ایسے بھادر اور بیماں دوستوں کو پوچتا ہوں۔“
فریدی اور اس کے ساتھیوں نے ایک ایک کی جامہ علاشی لی۔ سارا سامان چھان ڈالا۔ لیکن
طوق نہ ملا اور ڈاکٹر شپرڈ اپنی ضد پر اڑا رہا۔

اور یہ بات سوچی ہی نہیں کہ وہ لوگ طوق اپنے ہمراہ نہ لائے ہوں۔ طوق بھی جس سے
لنے سُنگ ہی نے ایک زبردست خطرہ مول لے کر سر کاری خزانے پر ڈاکٹر ڈالا تھا۔ وہ یقیناً اس سے
کے لئے ضروری تھا۔ ورنہ سُنگ اسے سر کاری خزانے سے اڑا کر خواہ پویں داؤں کو اے
پچھے کیوں لگاتا۔

”پھر بتاؤ اب کیا کیا جائے؟“ طارق نے فریدی سے پوچھا۔
”سُنگ ہی جانتا ہے کہ اس کی زندگی اور موت کا انحراف صرف اسی طوق پر ہے اور یہ حقیقت
ہے اگر طوق مل گیا ہوتا تو میں اسے زندہ نہ چھوڑتا۔“

”ڈاکٹر شپرڈ بھی پھیل گیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی زبان نہیں کھولے گا۔“
”آپ اس کی زبان کھلوا سکتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”بھلا میں کس طرح کھلوا سکتا ہوں؟“
”میاں آپ پہنچنے کے ماہر نہیں ہیں۔“ فریدی بولا۔
”اوہ.... خدا کی قوت نے ٹھیک یاد دلایا۔“ طارق ہٹنے لگا۔ ”واقعی اس کی زبان کھلوائی جائے۔“

بلد نمبر 15
لے کہ وہ اس کے باپ کے دوستوں میں سے تھا۔ طارق جیسے جہاندیدہ آدمی کی نظر وہی سے فریدی کا جذباتی تغیر پوشیدہ نہ رہ سکا۔ اس نے فوراً ہی مسکرا کر کہا۔ ”خم یہ مت سمجھو کہ میری بچپنی کم ہو گئی ہے۔ اس طوق کا مسئلہ تو ایک بالکل ہی نئی چیز ہے۔ کاش میں نے بھی اس پر ایک نظر ڈال لی ہوتی۔“

”مجھے یقین ہے کہ وہاب بھی سنگ ہی کے قبضے میں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن اس نے اسے کہیں چھپا دیا ہے۔۔۔ میرا خیال ہے کہ یہ مسئلہ بھی عمل تنویم سے حل ہو سکتا ہے۔“

”سنگ ہی....!“ طارق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”نا ممکن ہے۔ وہ ٹرانس میں ہرگز نہ آئے گا۔ اس کی وقت ارادی کافی پختہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے ناپ سے میں بخوبی واقف ہو گیا ہوں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں مثل کے طور پر تمہیں بھی ٹرانس میں لانا ممکن نہیں۔ حید ٹرانس میں آجائے گا۔ قائم جیسے دیو پیکر کو بھی ٹرانس میں لا سکتا ہوں۔۔۔ انور بھی آجائے گا۔۔۔ مگر دشواری کے ساتھ۔“

”یہاں سے کتنے دنوں کی راہ ہو گی؟“ فریدی نے پوچھا۔

”یہاں سے۔“ طارق بڑا بڑا۔ ”یہ راستہ طویل بھی ہے اور پر خطر بھی۔ یہ لوگ اسی راستے سے جا رہے تھے جس کا ذکر اس طوق کی تحریر میں ہو گا۔ سینکڑوں سال پر انی بات ہے۔۔۔ میں جس راستے سے گیا تھا وہ نبیٹا آسان ہے۔“

”غیر.... فی الحال ہمیں سونا پاہے۔ شاید ڈاکٹر صبح سے پہلے نہ اٹھے۔“

وہ اسی غار میں پڑ رہے۔۔۔ سنگ ہی اور اس کے ساتھی دوسرے غار میں تھے انہیں فریدی نے انور کی گمراہی میں چھوڑا تھا۔۔۔ اس نے اسے اطمینان تھا اگر معاملہ صرف حید کا ہوتا تو شاید وہ سنگ ہی کے پاس سے ایک منٹ کے لئے بھی نہ ہتا۔۔۔ لیکن دوسری صبح اس کے لئے ایک نئی ابحن لے کر نمودار ہوئی۔ سنگ ہی۔۔۔ ریکھا اور اپنے بات مشرقی ساتھیوں سمیت غائب تھا ڈاکٹر شپرڈ کے ساتھیوں میں سے تین امریکن جو یہاں لکھ ساتھ آئے تھے بدستور موجود تھے۔ اور وہ اسی حال میں ملے جس میں رکھے گئے تھے۔

اور بہت زیادہ شرمندہ نظر آرہا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں فریدی سے گفتگو بھی کرنی چاہی۔

جھکائے بڑی تیزی سے ڈاکٹر شپرڈ کے الفاظ توٹ کر رہا تھا۔
تو ہوڑی دیر بعد طارق نے کہا۔ ”میں سمجھ گیا۔۔۔ معلومات مکمل ہیں۔ اب اسے سونے دو۔۔۔ خود بخود جا گے گا۔“

فریدی کاغذ پر نظر ثانی کرتا ہوا بولا۔ ”مگر ایک بات رہ گئی۔ اس لڑکی کی موجودگی کا مقصد؟“

”وادیٰ تاریک...؟“ فریدی نے استفہامیہ انداز میں دہرایا۔

”ہاں میں ایک بار دہاں جا پکا ہوں۔۔۔ اگر اسے ہیروں کی وادی کہا جائے تو بے جان ہو گا۔۔۔ لیکن اس کے قریب پہنچ کر بھی میں ناکام ہی رہا تھا۔ میں نے دھوپ میں ہیروں کی چک دیکھی ہے۔۔۔ معمولی عنقریزوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیرے۔۔۔ لیکن ان تک میری پہنچ نہ ہو سکی۔ تم سوال کرو گے آخر کیوں...؟ آہ تم بھی محسوس کرو گے۔۔۔ جو کچھ میں نے دہاں پہنچنے پر محسوس کیا تھا۔۔۔ میرا خیال ہے کہ ہم یہیں سے واپس ہو جائیں۔ روئی کو فتح ہوتی ہے۔“

”کچھ بتائیے بھی تو....!“

”دو ہزار فٹ کی گہرا آئی میں ایک وادی ہے جس کا رقبہ بچیں مرین میں سے کسی طرح کم نہ ہو گا اور کوئی ڈھلان ایسی نہیں ہے جس کے ذریعے نیچے تک پہنچنا ممکن ہو۔ وادی کے چاروں طرف سیدھی کھڑی ہوئی دیواریں سی نظر آتی ہیں۔ کنارے پر کھڑے ہو جائیے جس نے معلوم ہو گا جیسے کسی دو ہزار فٹ بلند دیوار پر کھڑے ہوں۔ نیچے گنجان جگل نظر آتے ہیں جہاں دُر خٹ نہیں ہیں، دہاں دھوپ کی روشنی میں ستارے چکتے نظر آتے ہیں۔“

عجیب آوازیں

”لیکن آپ والپی کے لئے کیوں کہہ رہے ہیں۔“ فریدی نے حیرت سے کہا۔

”میں ایک بار اس وادی میں اترنے کی کوشش کر چکا ہوں۔ مگر ناکام رہا۔“

”ضروری نہیں کہ دوسرے بیوی کو بھی ناکامی ہو۔“ فریدی بولا۔

”برخورد ایسے ہراغ رسانی نہیں ہے۔“

فریدی اس سوال پر جھنجلا گیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ طارق کا احترام کرتا تھا۔ محض اس

”پروانہ کرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”غلطی میری ہی تھی۔ سگ ہی کے مقابلے میں تم طفل مکتب ہوں خود مجھے اس کی نگرانی کے لئے موجود ہنا چاہئے تھا۔“ پھر اس نے ڈاکٹر شپرڈ سے کہا۔ ”دیکھا تم نے اپنے وفادار دوست کو۔ تمہیں مصیبت چھوڑ کر خود فرار ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ تمہارے امریکن ساتھیوں تک کوچھوڑ گیا۔“ ڈاکٹر شپرڈ کا سر ندامت سے جھک گیا اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”چلواب میں تمہیں بتاؤں گا۔ اسے پچھلی رات کے واقعات قطعی یاد نہیں تھے۔“ ”شکریہ...!“ طارق مسکرا کر بولا۔ ”ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اب ہم تمہیں کس پر مجبور نہ کریں گے۔ ویسے اگر تم نے کل ہی ہمارا ساتھ دیا ہوتا تو وہ طوق سگ ہی نے لے جا پائے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ڈاکٹر شپرڈ نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ میرے نتائے راستے سے منزل پر پہنچ جائے لیکن وہ اس طوق سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔“ ”کیوں؟“ طارق نے حیرت کا ظہار کیا۔ ”طوق نا مکمل ہے۔ لہذا وہ خزانہ نہیں حاصل کر سکتا۔“ ”اوہ... تو کیا وہ خزانہ کسی کی حفاظت میں ہے؟“ ”ہاں! ہزار ہاسال سے ایک وحشی نسل اس کی حفاظت کرتی آئی ہے اور غالباً آج بھی اسی کی حفاظت میں ہو گا۔ طوق کی تحریر سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس طوق کو دوسرے بغیر کوئی خزانے کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا۔“ ”لیکن طوق نا مکمل کیوں ہے؟“ ”اس کے گرد چاندی کا ایک سانپ لپٹا ہوا تھا جواب نہیں ہے۔ سگ ہی کا خیال تھا فریدی کے پاس ہے۔“ طارق نے استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی نے اقرار میں سر ہونے کہا۔ ”وہ سانپ حقیقتاً میرے ہی پاس ہے۔ میں نے طوق کو سر کاری تحویل میں دیے قبل سانپ اس سے الگ کر لیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ سگ اسے اڑانے کی کوشش کرے گا۔“ ”ہاں! اسے موقع تھی کہ وہ تمہیں ضرور پکڑ لے گا۔“ ڈاکٹر شپرڈ بولا۔ ”وہ اس لڑکی کو ساتھ لئے کیوں پھر رہا ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”اوہ... تحریر بڑی عجیب ہے۔“ ڈاکٹر شپرڈ نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”اس کے مطابق محض اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ طوق ان دھیشوں کو دکھایا جائے بلکہ ایک لڑکی اسے پہن کر سانپوں والے غار میں اتر جائے... پہنہ نہیں غار کیا بلہ۔ سگ کا خیال تھا کہ وہ سانپوں کا مسکن ہو گا۔... یہ لڑکی دراصل اسی مقصد کے تحت ساتھ لائی گئی ہے۔ دیہہ دانتہ کوئی شخص بھی ایسے غار میں نہیں اتر سکتا جس میں سانپ رہتے ہوں... اور اس لڑکی میں ایک ایسا مرض پایا جاتا ہے جس کی بناء پر اس سے یہ کام لیا جاسکتا ہے۔ وہ نیند کی حالت میں اٹھ کر چلتی ہے اور ان کاموں کو سر انجام دے ڈالتی ہے جنہیں کسی وجہ سے جاگتے میں نہیں کر پاتی۔ سگ ہی کی ایسیکم یہ ہے کہ وہ اس سے غار میں اترنے کو کہے گا۔ ظاہر ہے کہ لڑکی سانپوں کے خوف سے صاف انکار کر دے گی لیکن پھر نیند کی حالت میں وہی کر گزرے گی۔ کیونکہ اس کا ذہن اس سے بہت زیادہ متاثر ہو گا۔ جس چیز سے ہم خائف ہوتے ہیں وہ ہمیں خواب میں اکثر دکھائی دیتی ہے۔ اور نیند میں چلنے والے تو عام طور پر اس کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ یقیناً اس قسم کا خواب دیکھے گی کہ وہ غار کی طرف جا رہی ہے۔ بس وہ سوتے ہی سوتے اٹھے گی اور غار کی طرف چلی جائے گی۔“

”شرم... شرم... ذیٹی۔“ روزا چیخ پڑی۔ ”تمہیں شرم آئی چاہئے...“ ڈاکٹر شپرڈ چونکہ کرائے گھومنے لگا۔

”اس طرح نہ دیکھو۔“ روزا ہنریانی انداز میں بولی۔ ”میں روزا ہوں... تمہاری بیٹی... میں تمہاری آنکھوں کے سامنے سانپوں والے غار میں اتر جاؤں گی۔“ فریدی! میرے باپ کے ہاتھ باندھ دو! اسے دھکے دیتے ہوئے وہاں نک لے چلو... میں سانپوں والے غار میں اتروں گی... اسے خزانہ مل جائے گا... اسے خزانہ چاہئے... یہ اپنی بیٹی کو موت کے منہ میں دھکیل سکتا ہے... اسے خزانہ ضرور ملے گا... یہ میرا باپ ہے... اس کے گلے میں مقدس صلیب لٹک رہی ہے... اس کی ڈاڑھی کرائٹ کی ڈاڑھی سے مٹاہے ہے۔ ہلاا... کرائٹ ایک معصوم لڑکی کو سانپوں کے حوالے کر رہا ہے... ہلاا...!“ وہ پاگلوں کی طرح قیچے گاتی رہی... اور پھر بیویش ہو کر گر گئی۔

ڈاکٹر شپرڈ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ وہ آنکھیں پھاڑے بیویش روزا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنچہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

ہے بھولی لڑکی.... یہاں ایسے بیتیرے حادثے ہوا کرتے ہیں۔“
”گر مجھے اپنے باپ سے ایسی امید نہیں تھی۔ میں اسے اپنا باپ کہتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہوں۔“

”یہی ہوتا چاہئے۔“ قاسم بڑی سمجھیگی سے بڑھانے لگا۔ ”میرا باپ بھی اس قابل ہے کہ اسے گولی مار دی جائے۔ اسی کی بدولت میں ان ابجائز جنگلوں میں دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔“

”کیوں؟ تمہارے باپ نے کیا کیا ہے؟“ روزانے پوچھا۔

۵

”اسے پیدا کیا ہے؟...؟“ حمید بولا۔

”تم چپ رہو۔“ قاسم جلا کر بولا۔ ”میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔... سب تمہاری ہی بدولت ہوا ہے۔“

”ابے تو کیا میں تیرا باپ ہوں۔“

”باپ سے بھی بدتر۔“ قاسم نے بُر اسامنہ بتا کر کہا۔

”تم دونوں کی باتیں عجیب ہوتی ہیں.... جنہیں میں سمجھ نہیں پاتی۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح قاسم مل جائے۔ شپرڈ کی زبانی ریکھا کے انجام کا پلان سن کر اس کے روٹکٹے کھڑے ہو گئے تھے لیکن اس پر جواہر بھی ہوا تھا واقعی تھانے جانے کیوں وہ پچھلے دو تین دونوں سے بھر دی اور حمید جیسے جذبات سے قطعی محروم ہو گیا تھا کہ یہ جنگ لی کر کا اثر رہا ہو۔

شام ہو گئی لیکن وہ چلتے ہی رہے۔ طارق نے قیام کیلئے کہا بھی لیکن فریدی نے پروادہ کی۔

”کیا تم کر رہے ہو۔“ طارق نے تشویش آمیز لمحہ میں کہا۔ ”میں اس راستے سے تمہیں لے چل رہا ہوں جہاں آدمیوں کی آمد رفت رہتی ہے اس لئے دن کو یہاں خطرات سے سامنا نہیں ہوتا.... لیکن راتیں.... تم نہیں سمجھ سکتے یہاں رات کو اولاد ہوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہمیں اپنے قیام کے لئے کوئی جگہ منتخب کر لیتی چاہئے اور ہم اپنے گرد آگ روشن کئے بغیر اس صورت میں بھی محفوظ نہیں ہوں گے۔“

سارا جنگل گلہریوں اور بندروں کے شوڑ سے گونج رہا تھا کچھ عجیب سماں حوال تھا۔ درختوں کی چوٹیوں پر شام کی سرفی ماں دھوپ بکھری ہوئی تھی انہوں نے قیام کے لئے ایک جگہ منتخب کر لی۔

”طارق صاحب۔“ فریدی مفطر بانہ انداز میں بولا۔ ”جلدی کیججھے.... مجھے اس لڑکی کو ہے قیمت پر پہنچانا ہے۔“

انہوں نے بہت جلدی نیس روائی کا انتظام کیا۔ روزا کے ہوش میں آنے کا بھی انتظار نہ کر گیا۔ ڈاکٹر شپرڈ اسے اپنے کاندھی سے پر اٹھائے ہوئے چل رہا تھا۔ سنگ ہی کے فرار نے فریدی کے ذہن پر اتنا گوارا اثر نہیں ڈالا تھا جتنا کہ ریکھا کا مصرف معلوم ہونے کے بعد چڑا۔ تین چار میل چلنے کے بعد انہیں شمال کی طرف مڑنا پڑا۔ اب کچھ جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا لیکن جنگلوں میں انہیں اب تک زندگی کے آثار صرف گلہریوں اور چھوٹے چھوٹے بندروں کی شکل میں ملے تھے۔

جمیلی کی خود رو جھائیاں پھولوں سے لدی ہوئی تھیں۔ جیسے جیسے وہ ڈھلان میں اترتے گے جنگلوں کا سلسلہ گھنا ہوتا گیا۔

سورج اپنی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا لیکن درختوں کی چھاؤں میں وہ بڑی خونگو قسم کی خلکی محسوس کر رہے تھے۔

روزا ہوش میں آتے ہی ڈاکٹر شپرڈ کے کاندھے سے کوڈ پڑی۔ فریدی قریب ہی چل رہا تھا۔ اس نے اسے سنبھال لیا۔ ورنہ پھر لیلی زمین پر اس کا سرپاٹ پاٹ ہو جاتا۔

”تم نے اس کے ہاتھ نہیں باندھے....؟“ اس نے فریدی کو چھوڑ کر کہا۔

”کوئاں مت کرو۔“ فریدی نے جلائے ہوئے لمحے میں جواب دیا۔

”میں اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔“

حمدید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ ”تم ان دونوں کی شکل نہ دیکھو۔“ دوسرے پر سنگ ہی کے خون کی پیاس سوار ہے۔ اس پوری پارٹی میں صرف میں ہی ایسا آدمی ہو رہے کہت و خون سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

روزا اس کے ساتھ چلنے لگی۔ حمید نے اپنی رفتار پچھے کم کر دی اور پھر وہ دونوں قافلے پیچھے ہو گئے۔

قاسم بھلا کب حمید کا پیچھا چھوڑنے والا تھا۔ بتدریج رفتار کم کرتے کرتے وہ بھی ان دونوں کے برابر بیٹھ گیا۔ روزا کا ایک ہاتھ حمید کے ہاتھ میں تھا اور حمید اس سے کہہ رہا تھا۔ ”یہ زندگی

اور اس کے گرد خشک لکڑیوں کے ڈھیر لگانے لگے۔ پھر تاریکی پھیلتے ہی ان میں آگ لگادی گئی۔ رات گئے انہوں نے کچھ بڑے بڑے اٹھ دیے جو شکار کی تلاش میں ادھر ادھر ریغ پھر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر کامیاب قسم کے آدمیوں کا تصور ہن میں پیدا ہوتا تھا۔ وہ آگ دائرے کے قریب آتے اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے انہیں گھورتے اور وہ آنکھیں کچھ عجیب و معلوم ہوتیں جن سے بے نقیقی کا اظہار ہوتا۔ لیکن بار بار منہ سے لپکتی ہوئی زبانیں کچھ اور کہتو تھیں بالکل ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی ایسا فقیر کھڑا دروازے پر صد الگا ہا ہو جس کی آنکھوں میں طلب ہو.... اور نہ اندازتی سے حاجت مندی کا اظہار ہوتا ہو۔ اچانک روز اچیح پڑی۔ ایک اٹھدا ایک درخت کی شاخ سے آہستہ آہستہ اپنے بل کھوتا ہے۔ ان کی طرف منہ بڑھا رہتا۔ فریدی نے راکفل اٹھائی۔

”ماتے ہو تو گولی سر ہی پر پڑے۔“ طارق چھنا۔ ساتھ ہی فریدی نے فائز کیا گولی۔ ”لاؤ... مجھے دو.... میں دیکھوں۔“ ڈاکٹر شپرڈ بے صبری سے بولا۔ لیکن فریدی اس کی اٹھ دے کے سر کے چیتھرے اڑا دیے۔ اس نے بڑے کرب کے عالم میں اپنے جسم کو گردش دی طرف دھیان دیے بغیر طارق سے لنگو اجرال میں گفتگو کرنے لگا۔ اور شاخ سے اس کے سارے میں یکخت کھل گئے اگر وہ سب پھر تی سے ایک طرف ہٹ نہ گئے ہوتے تو اس نے مرتبے دوچار کو پیٹ میں لے لیا ہوتا۔ بہر حال وہ رات پھر باری باری سوتے جا گتے رہے اگر دن بھر کے تھکے ہونے نہ ہوتے جن کی پیتاں گرچکی تھیں۔ گھر تے دکھائی دے جاتے تھے۔ پھر وہ شاید ایک لمحے کے لئے بھی ان کی پلکیں نہ چھپتیں۔

چھ ہوتے ہی اٹھ دھے نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔ ان کا سفر جاری رہا۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ سورہا ہے اور نہ جاگ رہا ہے۔ ایک درمیانی کر پہنچنے کا مکان ہوتا۔ وہ کچھ ”تاریک وادی“ ہی تھی۔ اتنا گنا جنگل انہیں راہ میں بھی کہیں نہیں ملا کیفیت تھی جس میں ہربات کا احساس تو ہوتا ہے لیکن قوتِ فیصلہ قریب قریب مفقود ہو جائی۔ فریدی دو رین سے نیچے دیکھنے لگا۔ ”زندگی کے آثار بھی نہیں معلوم ہوتے۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد آنکھوں پر سے دور میں بھینسا ہو۔

تیرے دن طارق نے بتایا کہ وہ منزل مقصود پر پہنچ گئے ہیں۔ طارق آتش فشاں کے لاوے سے نی ہوئی تقریباً پانچ سو فٹ بلند ایک سطح مرتفع کی طرف اشارہ کر رہا تھا اس نے بتایا کہ حقیقتاً وہ بھکتے ہوئے ادھر آئے ہیں ورنہ اور پہلے پہنچا چاہئے تھا۔ طارق کو راستے ہی میں اس بات کی ممکن ہے کوئی احساس ہو گیا تھا کہ وہ راستہ بھول گیا ہے لیکن اس نے یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کی تھی۔ منزل راستے!“

مقصود پر پہنچنے کے بعد اس نے اس کا اظہار کیا ”اوہ تب تو... تب تو سنگ ہی پہنچ چکا ہو گا۔“ فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”بہت برا ہوا... وہ لڑکی...؟“ ”لکھ مت کرو....!“ ڈاکٹر شپرڈ بولا۔ ”وادی میں اترنے کا راستہ اسے نہیں معلوم۔“ ”یا تم جانتے ہو....؟“ ”راتے کا سراغ تمہارے پاس ہے۔“ ڈاکٹر شپرڈ بولا۔ ”وہ سانپ جو تم نے طوق سے الگ کیا تھا وہ سانپ نہیں بلکہ وہ چاندی کا پتہ ہے اور اسے موڑ کر سانپ کی شکل دی گئی ہے۔ اگر اس کے بل کھولے جائیں تو ہمیں غالباً اس پر بھی ایک تصویری تحریر ملے گی۔ وہی دراصل نیچے جانے کے راستے کا سراغ ہے۔“ ”میں جانتا ہوں۔“ فریدی سر ہلا کر رہا گیا۔

”لاؤ... مجھے دو.... میں دیکھوں۔“ ڈاکٹر شپرڈ بے صبری سے بولا۔ لیکن فریدی اس کی اٹھ دے کے سر کے چیتھرے اڑا دیے۔ اس نے بڑے کرب کے عالم میں اپنے جسم کو گردش دی طرف دھیان دیے بغیر طارق سے لنگو اجرال میں گفتگو کرنے لگا۔ اوپر پہنچ کر انہیں وادی کے سرے تک پہنچنے کے لئے زیادہ دور نہیں چلانا پڑا۔ سطح مرتفع کا اور پہنچ کر انہیں وادی کے سرے تک پہنچنے کے لئے تک پہنچنے کے لئے زیادہ دور نہیں چلانا پڑا۔ سطح مرتفع کا بہر حال وہ رات پھر باری باری سوتے جا گتے رہے اگر دن بھر کے تھکے ہونے نہ ہوتے جن کی پیتاں گرچکی تھیں۔ گھر تے دکھائی دے جاتے تھے۔ پھر وہ شاید ایک لمحے کے لئے بھی ان کی پلکیں نہ چھپتیں۔

چھ ہوتے ہی اٹھ دھے نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔ ان کا سفر جاری رہا۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ سورہا ہے اور نہ جاگ رہا ہے۔ ایک درمیانی کر پہنچنے کا مکان ہوتا۔ وہ کچھ ”تاریک وادی“ ہی تھی۔ اتنا گنا جنگل انہیں راہ میں بھی کہیں نہیں ملا کیفیت تھی جس میں ہربات کا احساس تو ہوتا ہے لیکن قوتِ فیصلہ قریب قریب مفقود ہو جائی۔ فریدی دو رین سے نیچے دیکھنے لگا۔ ”زندگی کے آثار بھی نہیں معلوم ہوتے۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد آنکھوں پر سے دور میں بھینسا ہو۔

”مجھے راستے کی نہیں۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”سگ ہی کی تلاش ہے۔“

”ضروری نہیں کہ وہ یہاں تک پہنچنے ہی جائے۔“ طارق نے کہا۔

”کیوں....؟“

”ڈاکٹر شپرڈ کا بتایا ہوا راستہ میری معلومات کے مطابق ناقابل عبور جنگلوں سے بھرا اور وہاں اب بھی پرانی نسل کے مردم خود کے پائے جانے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔“

اچانک ایک عجیب قسم کی آواز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ پتہ نہیں وہ کیسی آواز لیکن حسوس ہیں ہوا تھا جیسے کسی نے تھہہ لگایا ہو۔ پھر ایک چیخ سنائی دی۔ نسوانی چیخ پھر وہی تھہہ۔۔۔ چیخ۔۔۔ اور تھہہ میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔

آتشی بگولے

وہ آواز کی طرف چل پڑے۔ آواز تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد سنائی دیتی لیکن ایسا ہو رہا تھا جیسے وہ لختہ بہ لختہ دور ہوتی جا رہی ہو۔ وہ چلتے رہے حتیٰ کہ ”تاریک وادی“ بہت بُنگی۔ بار بار دارالاسے انہوں نے چند قلیوں کی ٹکرائی میں چیخ ہی چھوڑ دیئے تھے۔

”یہ تو کسی عورت کی آواز معلوم ہوتی ہے حمید بھائی۔“ قاسم نے کہا۔

”ہمیں قبر میں بھی عورتوں ہی کی آوازیں سنائی دیں گی۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لیکر وہاں بھی آواز ہی کی سمت چل رہے تھے۔

”اوھ....!“ فریدی نے ایک طرف اشارہ کیا اور پھر وہ ڈھلان میں اترنے لے گئے۔

”ارے....!“ دفتہ طارق چلتے چلتے رک گیا۔ پھر دسرے لمحے میں وہ ایک بڑے سے ہاتھ بیکے دائیں جانب چیخ دیکھ رہا تھا۔ ”خدائی قسم یہ سگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا وہ سب اسی طرف متوجہ ہو گئے۔ پندرہ میں فٹ چیخ انہیں ایک آدمی دکھائی دیا جس کا نام ہے پر ایک عورت اس طرح پڑی تھی جیسے مرد ہو۔ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے۔ آوازیں سن کر وہ آدمی اوپر دیکھنے لگا۔ وہ بلاشبہ سگ ہی تھا لیکن عجیب حال میں کپڑے ہوئے تھے جن میں اس کی گردن کسی خشکی کے پکھوے کی گردن کی طرح اوپر کی طرف تو تھی۔ چیخ جو وہ آدمی کے بجائے خشکی کا پکھوائی معلوم ہو رہا تھا۔

”آؤ....!“ اس نے انہیں دیکھ کر تھہہ لگای۔ ”خونی بگولے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔ میں فریدی کو مخاطب کر رہا ہوں۔“

اس کے کامنے پر پڑی ہوئی عورت نے بھر ایک بذریعی ساق تھہہ لگای اور سگ ہی اس کی پشت پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا پھر اس نے چیخ کر کہا۔ ”ڈاکٹر شپرڈ! میں جانتا تھا کہ تم ان ناخجواروں کو ضرور ساتھ لاوے گے۔ مگر میرا بب کسی سے بھی جھگڑا نہیں۔ میں خزانے کا تھماں لکھا ہوں۔ مجھے اب اس ساتھ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ راستے مجھے مل گیا۔ آؤ تمہیں دکھاؤ۔۔۔ آؤ۔۔۔ ذرو نہیں۔۔۔ میرا بب کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔“

”شاید اس کا ذریعی توازن بگڑ گیا ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑھا۔ جو سگ ہی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ چیخ اتنے لگے۔ لیکن ان کے ہاتھ اپنے روپاں پر تھے۔ پھر انہوں نے چیخ پھیچ کر سگ ہی کو زخمی میں لے لیا۔ سگ ہی کھڑا اپر واٹی سے مسکرا تارہ۔

”لوکی کے ہاتھ پیر کھول دو۔“ فریدی نے تھکمانہ لجھے میں کہا۔

”مشورہ قابل قول نہیں ہے۔“ سگ ہی آہستہ سے بولا۔ ”اس کا دماغ الٹ گیا ہے اگر میں نے اسے آزاد کر دیا تو یہ کسی چنان سے چھلانگ لگادے گی۔ نہیں مانی ڈیزیر ہرگز نہیں۔ اداہ آؤ میں تمہیں راستہ دلھاؤ۔“

سگ ہی بڑے اطمینان سے ان کے زخم سے نکل کر ایک طرف چلتے لگا۔ وہ بھی اس کے پیچھے بڑھے۔ پھر انہیں جلد ہی ایک عجیب قسم کی آواز سنائی دینے لگی۔ بالکل ایسی ہی جیسے کوئی ریلوے انجن اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔۔۔ ”شاہیں شاہیں۔“

”وہ دیکھو....!“ سگ ہی نے ایک جگہ رک کر ایک غار کے دہانے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”وہ رہا رہتے۔“

”شاہیں شاہیں، کی آواز اسی غار سے نکلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی اور دہانے کے قریب ہی انہیں تین لاشیں نظر آئیں جو سگ ہی کے ساتھیوں کی تھیں۔

”بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔“ سگ ہی سکرا کر بولا۔ ”انہوں نے اندر گھننا چاہا تھا لیکن اچھل کر اتنی دور آپرے اور ختم ہو گئے۔ یہ کسی قسم کے گولے ہیں۔۔۔ آواز بھی عجیب ہے۔“

”اور بقیہ چار کہاں ہیں؟“ فریدی نے سوال کیا۔

"وہ.... ان میں سے کچھ تو ریچپوں کا شکار ہوئے اور کچھ کواٹو ہے چٹ کر گئے۔" سنگ ہی نے کچھ ایسے لمحے میں کہا جیسے وہ کسی کو اپنے اخراجات کا حساب دے رہا ہو۔ وہ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ "میں ان گلوں کے ختم ہونے کا انتظار کروں گا۔"

"بکواس ختم کرو۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "لڑکی اور طوق کو میرے حوالے کر دو۔ اس کے بعد تم جہنم میں جاؤ۔ تم اس حال کو پہنچنے گے ہو کہ میں تم پر ہاتھ اٹھانے میں خود اپنی قویں سمجھتا ہوں۔"

"اگر تم نے طوق یاریکھا کا مطالبہ کیا تو میری طرف سے اسے اعلان جنگ سمجھو۔ خزانہ میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔"

"اوکینے! میں خزانے کے لئے یہاں نہیں آیا ہوں۔"

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گھری سوچ میں ہو پھر یک بیک وہ اپنا روپ وال نکال کر گر جا۔ "اگر کسی نے بھی میری طرف بڑھنے کی کوشش کی تو جہنم میں پہنچا دوں گا۔ نہ تمہیں لڑکی ملے گی اور نہ طوق اور ہاں.... تم فریدی چپ چاپ وہ ستانپ نکال کر میرے حوالے کر دو۔ ورنہ تم سب کی لاشیں یہاں پڑی سڑا کریں گی۔"

پھر اس نے انڈھا دند فائر کرا شروع کر دیے۔ پوزیشن لیتے لیتے تین قلی مارے گے۔ روپ وال کے سارے چیزیں خالی ہو گئے تو سنگ ہی ایک طرف بھاگ نکلا۔ راستہ نہ ہمارا ہونے کے باوجود بھی اس کی رفتار تیز تھی۔

لیکن وہ زیادہ دور تک نہیں دوڑ سکا۔ کیونکہ اس کے کانہ سے پرانہ جانے کب سے لڑکی کا بوجہ رہا ہو۔ وہ ایک جگہ رک کر بیٹھ گیا۔ بالکل کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح لیکن اب بھی اس کے چہرے سے خوف کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

"اچھا فریدی۔" اس نے یک بیک ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "آدھا تمہارا... آدھا میرا۔"

"بکواس بند کرو.... اور طوق میرے حوالے کر دو۔"

"میرے پاس نہیں ہے۔" سنگ ہی نئے لاپرواں کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنمیں دے کر کہا۔ "تم ایک بد اچھی طرح میرے اور میرے ساتھیوں کی میلاشی لے چکے ہو۔"

"کیوں....؟" فریدی ذاکر شپرڈ کی طرف مڑا۔

"طوق اسی کے پاس ہے۔" ذاکر شپرڈ بولا۔ "ہمارے لکڑی کے صندوقوں میں سے ایک کی تہہ دوسرے تختوں کی تھی اور طوق انہیں دونوں تختوں کے درمیان رکھا ہوا تھا۔ یہ اپنے ساتھ وہ صندوق بھی لے گیا تھا۔"

"ذاکر شپرڈ...!" سنگ ہی دفعتائی سے قہر آلوں نظرؤں سے گھورنے لگا۔

"تم دعا بار ہو۔" ذاکر تھے سے اکھر گیکہ "تم مجھے موت کے منہ میں چھوڑ کر خود نکل آئے تھے۔" "آہا ذاکر...!" سنگ ہی پڑا۔ "تم مجھے اس طرح آنکھیں نہیں دکھائتے میں نے تم پر

احسان کیا ہے ورنہ عادت کے مطابق مجھے تم کو اسی وقت ٹھکانے لگادینا چاہئے تھا جب تم نے تحریر پڑھ کر مجھے راستے کا پتہ دیا تھا۔"

"سنگ....! لڑکی کو کانہ سے اٹا دکر الگ ہٹ جاؤ۔" فریدی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"خوب، بہت اچھے۔ میں خزانے کی کنجی تمہارے حوالے کر دوں۔ سنو کر مل۔" سنگ اس وقت تک ہارمانے کا قائل نہیں جب تک آخری سانس باقی رہے۔

"تم پاگل ہو گئے ہو مجھے تم پر زخم آتا ہے۔" فریدی نرم لمحہ میں بولا۔

"آہا....!" سنگ ہی زور سے چینا۔ "شروع کر دو۔"

ساتھ ہی ان پر چاروں طرف سے گولیاں برنسے گئیں۔ فریدی اور اس کے ساتھی بوکھلا گئے۔ سنگ ہی کے قیچیے نائی گنوں کی "ریٹ میٹ" سے ہم آہنگ ہو گئے تھے۔ فریدی نے نیچے چلا گئا۔ یہ حقیقت ہے کہ اسے اپنے ساتھیوں کا ہوش نہیں تھا جملہ اچانک ہوا تھا اور حملہ

اور نامعلوم تھے سنگ ہی نے چار ساتھیوں کے متعلق بتایا تھا کہ وہ راستے ہی میں حادثات کا شکار رہا ہو۔ وہ ایک جگہ رک کر بیٹھ گیا۔ بالکل کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح لیکن اب بھی اس کے

ساتھ ہی حمید اور انور نے بھی چلا گئیں لکھنی تھیں۔ روزا بھی چونکہ قریب نہیں اس لئے اس

نے بھی تباہی نہیں بر تی۔ وہ بے تحاشا ہجاتے رہے۔ فریدی کاریو وال اس ہنگائے کے دوران میں کہیں گریا تھا وہ کافی دور نکل آئے تھے اور نائی گنوں کی آوازیں بھی اب نہیں آرہی تھیں۔

"بہت نہ رہو۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"بیتھ لوگ یقیناً مارے گے ہوں گے مجھے افسوس ہے۔" فریدی رک کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "تم نے خود میری مجبوری دیکھی ہے۔ یہ بلا غیر موقع طور پر نازل ہوئی تھی اب بتاؤ میں

تمہارے باپ کے لئے کیا کر سکتا تھا۔

”مصیبتوں کی جڑ وہی ہے۔“ روزانے بیزاری سے کہا۔ ”مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں

فکر نہ کرو۔ مگر بیچارہ بوڑھا طارق.... قاسم.... مجھے ان کی موت پر گمراحمدہ ہو گا۔“

”آؤ کوئی راہ نکالیں۔“ فریدی نے کہا اور وہ پھر پلٹ پرے کچھ دور چلنے کے بعد فریدی

”اوہر سے آؤ۔“

وہ ایک ننگ سی دراڑ میں اتر گئے۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ قدم چلنے کے بعد وہ پھر ایک کش
جگہ میں آنکھیں۔ لیکن آگے جانے کا راستہ نہیں تھا کیونکہ ان کے اور دوسری طرف کی چنانور
در میان میں پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ حائل تھا وہ کنارے کے کنارے سے چلنے لگے۔ باسیں طرز
زمین دور سے خشک معلوم ہوتی تھی لیکن قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ دلدل تھی۔ عجیب
دلدل جو بالکل اسی طرح کھول رہی تھی جیسے پانی پڑنے پر چونا کھولنے لگتا ہے۔ بلیں بنتے اور
جاتے۔ بلکل کسی منہاجت کی آواز فضائیں گوئیں رہی تھی۔ فریدی چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر
سے بولا۔ ”ورا اپنے پاپ کی ننکی نکال کر مجھے دینا۔“

”کیا مطلب۔“

”اس وقت بھی دماغ چاؤ گے؟“ فریدی جلا کر بولا۔ ”میرا ذہنی توازن درست ہے۔“
حید نے چپ چاپ تباکونو شی کے پاپ کی ننکی نکال کر اس کی طرف بیڑا دی۔ فریدی
اسے ایک جگہ دلدل میں گاڑ دیا۔ انور روز اور حید اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن کوئی
کہنے کی بہت نہ کر سکا۔ روزاکی آنکھوں سے رحم اور ہمدردی کے جذبات کا انہمار ہو رہا تھا۔
بھی بھی سمجھی تھی کہ فریدی کا دماغ الٹ گیا ہے۔

فریدی نے جیب سے دیا سلامی نکال کر جائی اور اسے ننکی کے سرے پر لگا دیا دسر۔
لمحے میں ننکی کے سوراخ سے نیلے رنگ کی لپک پھوٹ ننکی جو برابر جلتی رہی اور پھر اس نے
دلدل سے نکال کر اس کا نچلا سر اضاف کرنے کے بعد حید کو داپس کر دیا۔ حید پھر کچھ
سکا۔ نہ جانے کیوں وہ اس وقت فریدی سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔

”میں یہ نہیں مان سکتا۔“ فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”کہ سنگ ہی اس سے واقف۔
میرے خدا اگر انہوں نے ہمارے سامان پر قبضہ کر لیا تو پھر انہیں وادی میں پہنچنے میں دش

ہو گی۔ جانتے ہو وہ ہمارے گیس ماسک نکال لیں گے اور بے دھڑک اس غار میں اتر جائیں گے۔“
”وہ ہے کیا بلا؟ آواز کیسی ہے؟“ حید نے پوچھا۔

”میا تم نے ابھی دیکھا نہیں۔ یہاں ان پھردوں کے نیچے کسی جلنے والی گیس کا بہت بڑا ذخیرہ
ہے۔ غار کے دہانے سے گیس کا اخراج ہوتا ہے بس اتنی سی بات۔ کیا بھی نہیں سمجھے؟“
”خدا کے لئے جلدی کرو... طارق وغیرہ...!“ روزا گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔

”میں بھجوں ہوں اپنی عادت سے۔“ فریدی تیز قدموں سے پیچھے کی طرف لوٹا ہو انہوں لا۔

”مگر بستر مرگ پر بھی کوئی تحقیقی مسئلہ ہاتھ آجائے تو میں اس میں الجھ کر رہ جاؤں گا۔“
در اڑا سے گذر کر وہ پھر باہر آگئے۔ فریدی بے تحاشہ دوڑ رہا تھا اور وہ سب اس کا ساتھ دے
رہے تھے۔ پھر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے غار کا دہانہ صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ لوگ نشیب میں تھے
انہوں نے سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے دو آدمیوں کو دیکھا جو نای گنیں لئے غار کے دہانے سے
ਖوڑے ہی فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے لیکن ان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ غالباً
نہیں ہیں پھر انہیں دو اور آدمی دکھائی دیئے جو دوسری طرف کے نشیب سے چڑھ کر غار کے
دہانے کی طرف آ رہے تھے اور انہوں نے چھروں پر گیس ماسک چڑھا رہے تھے۔ اس لئے پیچا نے
نہ جاسکے۔ وہ کچھ ذرا اور اوپر آئے تو انہیں ان کے ساتھ ایک تیری ہستی بھی دکھائی دی جئے وہ
ہاتھ پیر پکڑے لٹکائے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر گیس ماسک چڑھا رہا تھا۔ یہ یقیناً ریکھا ہی
تھی جسے وہ اس طرح غار میں لے جا رہے تھے۔

”آئے روپا اور بھی ہے کسی کے پاس...؟“ فریدی نے دانت میں کرسر گوشی کی۔
”نہیں... گر گئے۔“ سب کا یہی جواب تھا۔

”نہیں لے جا سکتے۔“ فریدی پہنیانی انداز میں بولا۔ ”وہ اسے نہیں لے جا سکتے اگر میری
آنکھوں کے سامنے یہ اس درندگی کی سیحت چڑھ گئی تو میں خود کشی کر لوں گا۔“

پھر اس نے بڑی پھرتی سے اپنا کوٹ اتارا اور دیا سلامی کھینچ کر اس میں آگ لگادی سنگ ہی
اور اس کا ساتھی ریکھا کو اٹھائے ہوئے غار کے دہانے کی طرف بڑھتے آ رہے تھے۔ جب کوٹ میں
اچھی طرح آگ لگ گئی تو فریدی نے اسے غار کے دہانے کی طرف اچھال دیا۔ دھنٹا ایک زور دار
آواز پیدا ہوئی اور دوسرے ہی لمحے میں غار کے دہانے سے درجنوں فٹ اوپری لپک نکلنے لگی اور

ساتھ ہی اتنے زو کا زناٹا پیدا ہوا کہ حمید وغیرہ بوکھلا گئے۔ سُنگ ہی اور اس کے مسلح ساتھر گنیں پھینک پھینک کر بے تھاشہ دوسری طرف بھاگے۔ لیکن سُنگ ہی کی حاضر دماغی قابض تھی۔ اس نے ریکھا کو نہیں چھوڑا۔ اس کا ساتھی تو ریکھا کا پیر چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا لیکن سُنگ نہایت اطمینان سے اسے کاندھے پر ڈال کر دہاں سے ہٹا۔ فریدی نے اپر پہنچ کر دونوں گنیں اٹھائیں اور پھر وہ آہستہ آہستہ دوسری طرف بڑھے۔ وہ چاروں سینے کے بل لیٹ گئے اور ریکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ حمید اور فریدی آگے تھے اور ان کے ہاتھوں میں نایی تھیں۔ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ان میں میگرین کم ہے۔ ذرا احتیاط سے۔۔۔ انگلی کے رہی تمہارا ذہن بھی ٹریگر ہی پر ہونا چاہئے۔

ابھی وہ سرے اپر پہنچے بھی نہیں تھے کہ انہوں نے قدموں کی آوازیں سنیں۔ سُنگ اپنے قلن ساتھیوں سمیت دوبارہ اپر کی طرف آرہا تھا۔ دو کے ہاتھوں میں نایی گنیں ہیں۔ فریدی نے اندازہ لگایا کہ ان پاس چار سے زیادہ نایی گنیں نہیں ہیں۔

”شروع ہو جاؤ۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ نایی گنوں سے گولیاں نکلیں اور سُنگ ہی کے دونوں مسلح آدمی ڈھیر ہو گئے۔ سُنگ اور دوسرے ساتھی سر پر پیروکھ کر بھاگے۔ ادھر سے پھر فائر ہونے لیکن وہ دونوں زد سے نکل تھے۔ انہوں نے نیچے اتر کر بقیہ دو نایی گنوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

”بس سیدھے ادھر ہی۔“ فریدی بولا۔ ”جہڑا ہم نے اپنا سامان چھوڑا تھا۔“

لیکن اتنے دور جانے کی نوبت نہیں آئی۔ سُنگ ہی اور اس کا ساتھی راستے ہی میں مل گئے ”خبردار....!“ فریدی نے لکھا۔ ”رک جاؤ.... ورنہ....“ جملہ پورا کرنے سے قبضہ نکل گیا لیکن اب بھی اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں تھے وہ اتنے پر سکون میں رک کر مڑا تھا جیسے اس کے کسی شناسانے سر رہے اسے پہچان کر آواز دی ہو۔

”تم بہت ذہین اور دلیر ہو۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔“ سُنگ ہی مسکرا کر بولا۔

”جب بھی میں اس سفر کے حالات لکھنے بیٹھوں گا تو مجھے تمہاری یاد بے حد ستائے گی۔ ان بگلوں کا تذکرہ خونی بگلوں کے نام سے کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اب لکھنا پڑے گا کہ ذہانت نے انہیں آتشی بگولے بنادیا تھا۔ مگر فریدی اب مجھے افسوس ہے کہ تمہاری قبر ایسی جگہ

گی جہاں کوئی مجاور بھی نہ نصیب ہو گا۔“

”بہت اچھا ہے! لیکن یہ بتاؤ کہ میرے ساتھیوں کا کیا بنا۔۔۔؟“

”وہ میری قید میں ہیں اور میں ان سے بار برداری کا کام لوں گا۔ میں نہیں چاہتا تھا مگر کیا کروں ڈاکٹر شہپر کی موت ہی آگئی تھی۔“

روزانے یہ خبر بڑے سکون کے ساتھ سنی اور فریدی نے سُنگ ہی سے کہا۔ ”اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ میں تمہیں طوق سمیت زندہ واپس لے چلوں گا۔“

”نہ تم مجھے لے جاسکتے ہو اور نہ طوق....!“ سُنگ ہی نے ایسے لیچے میں کہا جس سے خود اعتادی متربع ہوتی تھی۔

”حمدی اس کے گلے سے طوق نکال لو۔“

سُنگ ہی چپ چاپ کھڑا رہا۔ جیسے ہی حمید اس کے قریب پہنچانے جانے کیا ہوا کہ سُنگ ہی کا ایک پیر اس کے سر پر پڑا اور ایسا معلوم ہوا جیسے سُنگ ہی ہوا میں اڑ گیا ہو۔ کئی فٹ بلند ہو کر وہ پھر زمین پر آیا اور ایک طرف بھاگا۔ پھر فریدی سے کچھ دور کے فاصلے پر رک گیا۔ فریدی نے جلا کر فائر کیا۔ سُنگ ہی بڑی پھرپتی سے دار پچا گیا اور پھر نایی گن سے گولیاں لٹکے لیکن سُنگ ہی اسی جگہ کھڑے کھڑے اچھل کو کر اس طرح گولیاں خالی دے رہا تھا جیسے کوئی بندر کچھ شریر پکوں کے پھراؤ سے خود کو بچا رہا ہو۔ آخر میگرین ختم ہو گیا۔ فریدی نے جھلاہٹ میں نایی گن اس پر کھینچ ماری۔ لیکن وہ اسے بھی پچا کر اس طرح ہنسنے لگا جیسے کسی نفہے پنج کو چڑا رہا ہو۔ فریدی کسی غصب ناک بھیزی کی طرح غرما تاہو اس کی طرف چھٹا۔

سُنگ ہی تین چار چھلانگوں میں اپر پہنچ گیا۔ فریدی نہتھا ہی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ غار کے دہانے سے اب بھی اسی زور و شور کے ساتھ درجنوں فٹ اونچی لپک اٹھ رہی تھی اس کا محیط بھی غار کے دہانے ہی کے برابر تھا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے جہنم کی کوئی بھٹی کھل گئی ہو۔

”تم مجھے نہیں پا سکتے۔“ سُنگ ہی نے اپنی پوری قوت سے چھک کر کہا۔ ”طوق بھی میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔۔۔ سمجھ۔“

پھر قبل اس کے کہ فریدی اس کے قریب پہنچا اس نے قہقهہ لگاتے ہوئے جہنم کے دہانے میں چھلانگ لگادی۔

جواب میں طارق نے بتایا کہ وہ حمید کی گرفتاری میں ہے اور پھر وہ اپنے سوال کے جواب کا

انتظار کرتا رہا۔

تحوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ ”اب واپسی کا رادہ ہے۔“

”کیا اتنی مصیبتیں اٹھانے کے بعد یوں نبی ہی واپس ہو جائیں گے؟“

”بس طارق صاحب۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اب اگر کسی نے خزانے کا نام لیا تو میں

اسے اسی آگ میں جھوک دوں گا۔ اودہ معاف کیجئے گا۔۔۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔۔۔ آپ

خود سوچئے۔۔۔ کیا یہ ایک کھلی ہوئی دیواگی نہیں ہے؟ کتنے اس دیواگی کی بھینٹ چڑھ گئے۔۔۔

مجھے اتنا روحاںی سکون خزانے ملنے کے بعد نہ ہوتا جتنا اس لڑکی کو بچا کر نصیب ہوا ہے۔ آپ خود

غور کیجئے۔۔۔ میرے بزرگ۔۔۔“ فریدی خاموش ہو گیا۔ کوئی کچھ نہ بولا۔

آگ کی لپک کا زنا تاب بھی کان چھاڑ رہا تھا۔

اندھیرا ہو چلا تھا اور اسی آگ سے دور دور تک روشنی پھیل رہی تھی۔

وھٹا فریدی نے کہا۔ ”مگر میں یہاں ایک بار پھر آؤں گا۔۔۔ وادی تاریک میرے لئے کافی

نشش رکھتی ہے۔۔۔ لیکن مطع نظر خزانے کا حصول نہ ہو گا۔ کیا نیچے سک پہنچا ہی ایک بڑا کارنامہ

نہ ہو گا۔۔۔؟“

ستانے میں جلتی ہوئی گیس کا زنا تاب گونجتا رہا۔

ختم شد

فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ چند لمحے کھڑا خلا میں گھورتا رہا پھر واپسی کے لئے مڑا۔ اس کے پیچھے حیدر، روزا اور انور تھیں کھڑے تھے۔ فریدی ان کی طرف مخاطب ہوئے بغیر نیچے اترنے لگا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اتر کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ وہ تمیوں بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ نیچے آئے تھے۔ روزا اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی۔

وہ حیرت سے اس کے چہرے پر نظر جاتے ہوئے تھے۔

”جاو۔۔۔ طارق وغیرہ کو تلاش کرو۔“ فریدی مضمحل آواز میں بولا۔ ”غالباً وہ ہیں ہوں گے جہاں ہمارا سامان ہے۔“

انور اور حیدر چپ چاپ چلے گئے۔ روزا اوہیں بیٹھی رہی۔

”یہ میری فتح نہیں تھکت ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑا بڑا۔

”غلط ہے۔۔۔ وہ لڑکی طوق سے زیادہ قیمت رکھتی ہے۔ تم نے اس کی جان بچائی ہے۔۔۔ نہیں۔۔۔ فریدی۔۔۔ تم عظیم ہو۔۔۔ تمہاری سب سے بڑی فتح ہے۔ ایک انتہائی سرکش قسم کا مجرم تم سے سُنگ آکر خود کشی کر لیتا ہے۔“

”میں ڈاکٹر کو نہ بچا سکا۔ میں نے وعدہ کیا تھا۔“

”میں اسے اپنے ہاتھ سے گولی مار دیتی۔“ روزا بنے فخر یہ انداز میں کہا۔

”اسی طرح جیسے کسی پاگل کے کومار دی جاتی ہے۔ باپ کے رشتے سے زیادہ میں انسانیت کی اہمیت دیتی ہوں۔“

”میں تمہاری عظیم روح کو سلام کرتا ہوں۔“ فریدی اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔“

پھر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

تحوڑی دیر بعد قاسم اور طارق بھی دہاں پہنچ گئے۔ انور کا نرس زخمی تھا۔ سُنگ ہی کے بقیہ“ ساتھیوں نے کافی اودھ میں چھاڑا اور وادیور نبی کے ہاتھوں انجمام کو پہنچ گئے تھے۔ طارق نے پوری روداد سُنی کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔

”اب کیا رادہ ہے۔۔۔؟“

”وہ لڑکی کہاں ہے۔۔۔؟“ فریدی نے پوچھا۔